★ عصر کی نماز کا مسنون وقت ★ امام ابوحنیفہؒ (المتوفی ۱۵۰ھ) امام ایوب سختیانیؒ (المتوفی ۱۳۱ھ) کی نظر میں

★ کیا امام ابوحنیفہؒ (المتوفی ۱۵۰ھ) کو کفر سے دو بار توبہ کرائی گئی؟ ایک اعتراض کا جواب

ناشر: الاجماع فاؤنڈیشن

فہرست مضامین

نوٹ:

حضرات! ہم نے حتی الامکان کوشش کی ہے کہ اس رسالہ میں کتابت (ٹائپنگ) کی کوئی غلطی نہ ہو، مگر بشریت کے تحت کوئی غلطی ہو جانا امکان سے باہر نہیں۔

اس لئے آنخضرات سے موٴدبانہ گذارش ہے کہ کتابت کی کسی غلطی پر مطلع ہوں تو اسے دامن عفو میں چھپانے کی بجائے ادارہ کو مطلع فرمادیں، تاکہ آئندہ اس کی اصلاح کی جاسکے۔ جزاکم اللہ خیراً

ہمارا نظریہ

ہمیں کسی سے عنادو دشمنی نہیں ہے۔ حدیث میں نماز کے سلسلے میں متعدد روایتیں آئی ہیں۔ ایک پر آگر غیر مقلدین عمل کرتے ہیں تو ان سے کیوں لڑا جائے، جب کہ وہ بھی حدیث میں آیا ہے۔ لیکن جب وہ حنفیوں کو طعنہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث پر عمل نہیں کرتے قیاس پر عمل پیرا ہیں،

تو اس وقت سوچو! کیسے خاموش رہا جائے اور یہ کیوں نہ بتایا جائے کہ **حدیث پر تم سے زیادہ عمل کرنے والے ہم ہیں، اور تم زیادہ حدیث جاننے والے ہم ہیں۔**

محدث ابو المآثر حبیب الرحمٰن اعظمی علیہ الرحمہ

بادلِ ناخواستہ

انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ فرقہ اہل حدیث اور دوسرے باطل فرقے اپنی تعلیمات اپنے سننے والوں میں بیان کرنے کی بجائے ہمیشہ دوسروں پر ،اکثر غیر مناسب انداز میں اعتراض کرنے کو ترجیح دیتاہے اور اہل حق علماء کو گمراہ اور کافر کہنے تک سے گریز نہیں کرتے، جس سے فتنہ برپا ہوتا ہے۔

ان لوگوں کے اس فتنے کو بند باندھنے کیلئے بادل ناخواستہ قلم اٹھانا پڑتا ہے ،ورنہ ملکی اور عالمی حالات اس بات کا تقاضہ کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی صلاحتیں کہیں اور صرف ہوں۔

ادارہ: الاجماع فاؤنڈیشن

عصر کی نماز کا مستحب وقت۔

-مفتی ابن اسماعیل المدنی

-مولانا نذیر الدین قاسمی

عصر کی نماز کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے، اس میں علماء کا اختلاف ہے، مشہور روایت کے مطابق امامِ اعظم ابو حنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) کا کہنا ہے کہ جب ہر چیز کا سایہ، دو مثل کے برابر ہو جائے، تب سے عصر کا وقت شروع ہوتا ہے۔ **(مؤطا امام محمد: ص ۳۱، کتاب الاصل المشھور بالمبسوط: جلد ۱: صفحہ ۱۴۴)**، حضرت ابو ہریرہؓ کا بھی یہی موقف ہے۔ **(مؤطا امام مالک: صفحہ ۸)**، ایک روایت کے مطابق امام سفیان ثوریؒ **(م ۱۶۱ھ)** کا بھی یہی مسلک ہے۔ **(الاسماء والکنیٰ للامام الدولابی: جلد ۲: صفحہ ۵۷۷)** ، لیکن جمہور کے نزدیک عصر کا وقت ایک مثل پر ہی شروع ہو جاتا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے:

امام محمدؒ (م ۱۸۹ھ) فرماتے ہیں کہ:

أخبرنا مالك، حدثنا عبد الله بن دينار، أن عبد الله بن عمر أخبره، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "إنما أجلكم فيما خلا من الأمم، كما بين صلاة العصر إلى مغرب الشمس؟ وإنما مثلكم ومثل اليهود، والنصارى كرجل استعمل عمالا، فقال: من يعمل لي إلى نصف النهار على قيراط قيراط؟ قال: فعملت اليهود، ثم قال: من يعمل لي من نصف النهار إلى العصر على قيراط قيراط؟ فعملت النصارى على قيراط قيراط، ثم قال: من يعمل لي من صلاة العصر إلى مغرب الشمس على قيراطين قيراطين، ألا فأنتم الذين يعملون من صلاة العصر إلى مغرب الشمس على قيراطين قيراطين، قال: فغضب اليهود والنصارى وقالوا: نحن أكثر عملا، وأقل عطاء، قال: هل ظلمتكم من حقكم شيئا؟ قالوا: لا، قال: فإنه فضلي أعطيه من شئت۔

حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دوسری امتوں کے مقابلہ میں تمہاری زندگی کی مدت اس قدر ہے جس قدر **عصر اور غروبِ آفتاب** کا درمیانی وقفہ ہوتا ہے، تمہاری اور یہود و نصاریٰ کی مثال ایسی ہے، جیسے کسی نے مزدور کو کام پر لگایا اور کہا کہ کون ہے جو میرے لئے (صبح سے) دوپہر تک ایک قیراط کے بدلہ یہ کام کرے؟ یہود نے کام کیا۔

پھر اس شخص نے کہا: کون ہے جو ایک قیراط کے بدلہ میں عصر تک کام کرے؟ تو نصاریٰ نے ایک قیراط کے بدلہ نمازِ عصر تک کام کیا، پھر اسی شخص نے کہا: کہ ۲ قیراط کے بدلہ نمازِ عصر سے مغرب تک کون میرا کام انجام دے گا؟

(اس پر حضور ﷺ کے ارشاد فرمایا) سن لو! وہ لوگ تم ہو، جو نمازِ عصر سے مغرب تک کام کرتے ہو، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس بات پر یہود و نصاریٰ ناراض ہوئے اور کہنے لگے: **ہم نے زیادہ کام کیا مگر مزدوری کم ملی،** اس شخص نے کہا: کیا میں نے تمہارے حق میں کسی قسم کی کوئی کمی کی ہے؟

یہود و نصاری نے جواب دیا نہیں۔

اس نے کہا: یہ میری طرف سے احسان ہے، جس پر چاہوں احسان کروں۔ **(مؤطا امام محمد: حدیث ۱۰۰۸،** واللفظ لہ، **صحیح بخاری: حدیث ۵۵۷)**

استدلال یہ ہے: یہود و نصاریٰ کا قول: **"ہم نے زیادہ کام کیا مگر مزدوری کم ملی"** اس پر دلالت کرتا ہے کہ ظہر کا وقت، عصر کی نماز سے زیادہ ہے، کیونکہ نصاریٰ نے دوپہر (ظہر) سے عصر تک کام کیا تھا اور زیادہ کام اسی وقت ہوگا جب زیادہ وقت ہو، لہذا یہ حدیث واضح طور پر دلالت کرتی ہے کہ عصر کا وقت، ظہر کے وقت کے مقابلہ میں تھوڑا ہے، اور اسی وجہ سے کہا گیا کہ دو مثل سے شروع ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ:

۱ – امام ابو زید الدبوسیؒ **(م ۴۳۰؁ھ)** فرماتے ہیں کہ:

"فضرب قصر المدّة لقلّة العمل مثلًا قال: فجاء من هذا لأن مدّة العصر أقصر، وإنما تكون أقصر إذا كان الجواب كما قاله أبو حنيفة رحمه الله تعالى"۔

پس یہ بتانے کے لئے کہ عمل کم کیا ہے، مثال میں وقت کے چھوٹے ہونے کو بیان کیا، تو اس سے یہ بات نکل کر آئی کہ عصر کا وقت (بمقابلہ ظہر کے) چھوٹا ہے، اور عصر کا وقت (بمقابلہ ظہر) چھوٹا اسی وقت ہو گا جبکہ جواب امام ابو حنیفہؒ کے قول کے مطابق ہو۔ (**کتاب الاسرار للدبوسی** بحوالہ شرح ابن ماجہ للمغلطائی: صفحہ ۱۰۰۲)

۲۔ امام محمدؒ (م ۱۸۹ھ) نے بھی عصر میں تاخیر کو افضل قرار دیا ہے، اور کہا:

’ألا ترى أنه جعل ما بين الظهر إلى العصر أكثر مما بين العصر إلى المغرب في هذا الحديث، ومن عجل العصر كان ما بين الظهر إلى العصر أقل مما بين العصر إلى المغرب، فهذا يدل على تأخير العصر۔‘

کیا تم نہیں دیکھتے کہ ظہر اور عصر کے درمیان جو وقفہ ہے وہ عصر اور مغرب کے درمیانی وقفہ سے زیادہ ہے، لہٰذا یہ حدیث عصر کو تاخیر سے پڑھنے پر دلالت کرتی ہے۔ (**مؤطا امام محمد: حدیث نمبر ۱۰۰۸**)

۳۔ امام ابو بکر الرازیؒ (م ۳۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ:

’هذا الحديث يدل من وجهين على صحة قول أبي حنيفة: أحدهما: قوله صلى الله عليه وسلم: "إنما أجلكم في أجل من خلا من الأمم كما بين صلاة العصر إلى مغرب الشمس"، وإنما قصد به الإخبار عن قصر المدة.......... والوجه الآخر من دلالة الخبر على ما قلنا: قوله صلى الله عليه وسلم: فغضبت اليهود والنصارى، قولوا: كنا أكثر عملًا، واقل عطاء"، ومعلوم أن كثرة عملهم كانت لأجل امتداد وقتهم، وقصر وقت أمتنا. فلو كان وقت العصر من حين المثل، لصار وقت العصر أطول من وقت الظهر، وهذا يبطل معنى التشبيه؛ لأن النصارى حينئذ لا يكونون أكثر عملًا، فدل ذلك على أن وقت الظهر أوسع من وقت العصر۔‘

یہ حدیث دو وجہوں سے امام ابو حنیفہؒ کے قول کے صحیح ہونے پر دلالت کرتی ہے:

۱) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہاری مدت پچھلی امتوں کے مقابلہ میں (ایسی ہے) جیسے عصر اور مغرب کے درمیان (کا وقفہ)، اور اس سے آپ ﷺ کا مقصد، مدت کے کم ہونے کو بتانا ہے۔

۲) یہ حدیث ایک دوسرے انداز سے بھی ہمارے موقف پر دلالت کرتی ہے، (اور وہ اس طرح) کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’یہود و نصاریٰ نے ناراض ہوتے ہوئے کہا: ہمیں اجرت کم ملی حالانکہ ہم نے کام زیادہ کیا‘‘، اور یہ معلوم

ہے کہ ان کے کام کی زیادتی، ان کے وقت کے طویل، اور ہمارے وقت کے مختصر ہونے کی وجہ سے ہے، پس اگر عصر کا وقت مثل (اول) سے شروع ہو جائے تو عصر کا وقت ظہر کے وقت سے طویل ہو جائے گا، اور اس سے تشبیہ بے معنی ہو کر رہ جائے گی، اس لئے کہ اس وقت نصاریٰ زیادہ کام کرنے والے نہ ہوں گے، پس یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ظہر کا وقت عصر کے وقت سے وسیع ہے۔ **(شرح مختصر الطحاوی: جلد ۱: صفحہ ۴۹۶، ۴۹۷)**

اس حدیث کیوجہ سے امام ابو حنیفہؒ کا کہنا ہے کہ نمازِ عصر کا وقت دو مثل سے شروع ہوتا ہے جیسا کہ اقوال گزر چکے، نیز دیکھئے: **(شرح ابن ماجہ للمغلطائی: صفحہ ۹۹۹، ۱۰۰۲، نخب الافکار للعینی: جلد ۳: صفحہ ۱۴۱)**

احناف نے بھی احتیاط کو راجح قرار دیتے ہوئے، یہی کہا کہ عصر کا وقت ۲ مثل پر شروع ہوتا ہے، کیونکہ حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ عصر کی نماز کو تاخیر سے (یعنی دو مثل کے بعد) پڑھتے تھے۔

دلائل درجِ ذیل ہیں:

دلیل نمبر ۱ :

امام بخاریؒ (م ۲۵۶ھ) فرماتے ہیں کہ:

حدثنا موسیٰ بن اسماعیل قال حدثنا عبد الواحد بن نافع أبو الرماح شهدت عبد الرحمن بن رافع بن خديج قال أخبرني أبي أنه كان سمع النبي ﷺ يأمر بتأخير العصر۔

حضرت رافع بن خدیجؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو عصر کی نماز کے لئے تاخیر کا حکم دیتے ہوئے سنا۔ **(التاریخ الاوسط للبخاری: جلد ۲: صفحہ ۶۵)**

اس روایت کے راویوں کا حال درجِ ذیل ہے:

۱ – امام بخاریؒ **(م ۲۵۶ھ)** مشہور ثقہ ثبت، امام، حافظ الحدیث اور امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں۔

۲ – امام موسیٰ بن اسماعیلؒ **(م ۲۲۳ھ)** بھی ثقہ، مضبوط امام ہیں۔ **(تقریب: رقم ۶۹۴۳)**

۳ – عبد الواحد بن نافعؒ بھی ثقہ راوی ہیں۔

ابن حبانؒ اور امام قاسم بن قطلوبغاؒ نے ثقات میں شمار فرمایا ہے۔ **(کتاب الثقات لابن حبان: جلد۷: صفحہ ۱۲۵، کتاب الثقات للقاسم: جلد۶: صفحہ ۵۰۱)** امام ذہبیؒ شیخ کہتے ہیں۔ **(تاریخ الاسلام: ج۴: ص۱۴۳)**

اور غیر مقلدین کے نزدیک کسی راوی کو 'شیخ' کہنا توثیق ہے، چنانچہ غیر مقلدین کے شیخ الحدیث مولانا سلطان محمود صاحب **'شیخ'** کو تعدیل کے الفاظ میں شمار کرتے ہیں۔ **(اصطلاح المحدثین: صفحہ ۱۷)**

بلکہ اہل حدیث عالم ڈاکٹر سہل حسن، لفظِ 'شیخ' کو **'صدوق'** اور **'لا بأس به'** کے درجہ کی تعدیل قرار دیتے ہیں، نیز کہتے ہیں کہ **ان کی** (یعنی جس راوی کو **شیخ کہا جائے، اس کی) حدیث قابلِ قبول ہے۔ (معجم الاصطلاحات: صفحہ ۳۲۴)**

نیز، امام بخاریؒ نے ان کا ذکر اپنی تاریخ میں کیا ہے، لیکن ان پر کوئی جرح نہیں کی۔ **(التاریخ الکبیر: ۶ /۶۱)** اور جب امام بخاریؒ کسی راوی کا ذکر اپنی تاریخ میں کریں، لیکن اس کے بارے میں خاموشی اختیار فرمائیں، تو غیر مقلدین کے نزدیک یہ امام بخاریؒ کی طرف سے توثیق ہوتی ہے۔ **(میزان مناظرہ: جلد۲: صفحہ ۱۱۰- ۱۱۱، حافظ عبد القادر روپڑی، مرعاۃ المفاتیح: ج۷: ص۹۰، مسند احمد: ج۱: ص ۳۶۲، تحقیق شاکر)**

پھر امام ابن ابی حاتمؒ نے بھی ان کا ذکر اپنی کتاب الجرح والتعدیل میں کیا ہے، لیکن کوئی جرح نہیں کی۔ **(الجرح والتعدیل: جلد۶: صفحہ ۲۶)** اور ایسا کرنا بھی غیر مقلدین کے نزدیک امام ابن ابی حاتمؒ کی طرف سے راوی کی توثیق ہوتی ہے۔ دیکھئے **(مرعاۃ المفاتیح: ج۷: ص۹۰، مسند احمد: ج۱: ص ۳۶۲، تحقیق شاکر)**

الغرض معلوم ہوا کہ عبد الواحد بن نافعؒ خود غیر مقلدین کے اصول کی رو سے ثقہ ہیں۔ لہذا بعض علماء کا انہیں مجہول یا ضعیف کہنا، جرح غیر مفسر ہونے کی وجہ سے خود اہل حدیثوں کے اصول کی روشنی میں مردود ہے۔[1]

---

[1] امام ابن حبانؒ نے عبد الواحد بن نافعؒ پر جرح بھی کی ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں:

عبد الواحد بن نافع الكلاعي أبو الرماح شيخ يروي عن أهل الحجاز المقلوبات وعن أهل الشام الموضوعات لا يحل ذكره في الكتب إلا على سبيل القدح فيه وهو الذي روى عن عبد الله بن رافع بن خديج عن أبيه أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يأمر بتأخير العصر أخبرناه محمد بن جعفر بن طرخان قال حدثنا الحسن بن محمد بن

الصباح قال حدثنا يعقوب بن إسحاق الحضرمي قال حدثنا عبد الواحد بن الكلاعي عن عبد الله بن رافع بن خديج۔ (المجروحین: جلد ۲: صفحہ ۱۵۴)

لیکن امام ابن حبانؒ کی جرح مقبول نہیں ہے، کیونکہ وہ جرح میں متشدد ہیں، جس کا اقرار خود غیر مقلدین کر چکے ہیں۔

چنانچہ، شیخ البانیؒ، شیخ شریف حاتم بن عارف، شیخ عبد الرحمن **المعلمی** اور شیخ مقبل بن ہادی رحمہم اللہ وغیرہ سلفی علماء نے ابن حبانؒ کو جرح میں متشدد قرار دیا ہے۔(**سلسلہ احادیث ضعیفہ: جلد ۱۲: صفحہ ۱۸۰، خلاصہ التاصیل: صفحہ ۳۲، آثار الشیخ المعلمی: جلد ۱۰: صفحہ ۱۱۳، المقترح للوادعی: صفحہ ۳۰**)

اسی طرح محدثین نے بھی انہیں متشدد قرار دیا ہے:

عثمان بن عبد الرحمن الطرائفیؒ پر ابن حبانؒ نے جرح کی، جس کے جواب میں امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ '**أما ابن حبان فإنه يقعقع كعادته** ' رہے ابن حبانؒ، تو انہوں نے اپنی عادت کے مطابق ان پر کلام کیا ہے۔(**میزان الاعتدال: جلد ۳: صفحہ ۴۵**) ، ایک اور مقام پر عامرؒ کا دفاع کرتے ہوئے امام ذہبیؒ کہتے ہیں کہ ابن حبانؒ نے عامر کے بارے میں شدت سے کام لیتے ہوئے، زیادتی کی۔(**میزان: جلد ۴: صفحہ ۸**)، ایک جگہ سوید بن عمرو الکلبی کے دفاع میں تحریر کرتے ہیں کہ جہاں تک ابن حبانؒ کا تعلق ہے تو انہوں نے ان کے بارے میں زیادتی اور جرأت کی ہے۔(**میزان: جلد ۲: صفحہ ۲۵۳**)، اسی طرح سعید بن عبد الرحمن المدنیؒ کے ترجمہ میں کہا: '**أما ابن حبان فإنه خساف قصاب** '۔(**میزان: جلد ۲: صفحہ ۱۴۸**)، نیز دیکھئے: (**میزان: جلد ۲: صفحہ ۶۲۹**)

بلکہ شیخ البانیؒ اور شیخ مقبلؒ کے شاگرد شیخ ابو الحسن السلیمانی غیر مقلد کہتے ہیں کہ (اگر) کسی راوی کو صرف بعض روایت میں وہم ہوا ہے، تو ابن حبانؒ اس پر شدید الفاظ سے جرح کرتے ہیں اور (مثلاً) کہتے ہیں کہ یہ راوی ثقات سے مختلف روایات بیان کرتا ہے۔(**اتحاف النبیل: جلد ۱: صفحہ ۶۹**)، شیخ معلمیؒ فرماتے ہیں کہ ' **ولكن ابن حبان يشدد، وربما تعنت فيمن وجد في روايته ما استنكره** ' لیکن ابن حبانؒ متشدد ہیں اور وہ اکثر اس راوی کے حق میں سختی کرتے ہیں، جن کی روایت میں کوئی چیز منکر پاتے ہیں، ایک اور مقام پر کہتے ہیں کہ '**ابن حبان كثيرا ما يتعنت في الذين يعرفهم، ولم يغمزه أحد**' ابن حبانؒ رواۃ کا تعارف کراتے ہوئے اکثر سختی کرتے ہیں، حالانکہ (جس راوی پر انہوں نے سخت جرح کی ہے) اس پر کسی نے کلام نہیں کیا ہوتا ہے۔(**آثار الشیخ المعلمی: جلد ۱۰: صفحہ ۷۹۱**)

الغرض ان تمام علماء کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ ابن حبانؒ جرح میں متشدد ہیں، اور بقولِ غیر مقلدین بعض روایات میں وہم یا منکر نقل کرنے سے بھی شدید جرح کر دیتے تھے۔

اور عبد الواحد بن نافعؒ کے معاملہ میں بھی ابن حبانؒ نے تشدد سے کام لیا ہے، اور اپنی جرح کہ **'عبد الواحد، اہل حجاز سے الٹی روایات بیان کرتے ہیں'** کی بنیاد رافع بن خدیجؓ کی روایت پر رکھی ہے، جیسا کہ مجروحین کے متن سے ظاہر ہے، لیکن یہ ان کا صاف تشدد ہے:

۱ – کیونکہ عبد الواحد بن نافعؒ اس روایت میں منفرد نہیں ہیں، بلکہ انکے متابع میں عبد العزیز بن عقبہ بن سلمہؒ موجود ہیں جس کی تفصیل آگے آرہی ہے، جن کو خود ابن حبانؒ نے ثقات میں شمار کیا ہے۔ **(کتاب الثقات: جلد۷: صفحہ ۱۱۵)** لہذا اس روایت میں جب وہ منفرد ہی نہیں، تو اسی روایت کی وجہ سے ان پر ابن حبانؒ کی جرح صحیح نہیں ہے، اور یہ امام صاحبؒ کا تشدد ہے۔

۲ – اسی طرح امام ابن حبانؒ کی جرح کہ **'عبد الواحد، اہل حجاز سے الٹی روایت بیان کرتے ہیں'** یہ بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ **صحیح ابن حبان: حدیث نمبر ۱۵۱۵** میں موجود ان کی عبارت سے یہ صاف سمجھ میں آتا ہے کہ ابن حبانؒ کے نزدیک رافع بن خدیجؓ کی سیدھی اور صحیح روایت وہ ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ **'كنا نصلي مع النبي صلى الله عليه وسلم العصر، فننحر جزورا، فتقسم عشر قسم، فنأكل لحما نضيجا قبل أن تغرب الشمس'** کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ عصر کی نماز پڑھتے تھے، پھر اونٹ کو ذبح کرتے، تو اس کے ۱۰ حصے کرتے، پھر غروب آفتاب سے پہلے ہم پکا ہوا گوشت (بھی) کھاتے تھے۔ **(صحیح بخاری: حدیث نمبر ۲۴۵۸، صحیح ابن حبان: حدیث ۱۵۱۵)**، امام بخاریؒ نے اس روایت کو تاخیر والی روایت کے مقابلہ میں **'أصح'** کہا ہے۔ **(التاریخ الکبیر للبخاری: جلد ۵: صفحہ ۸۹)**، لیکن ان حضرات کا صحیح بخاری کی روایت سے عصر کو جلد پڑھنے 'تعجیل العصر' پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

کیونکہ ان دونوں روایات میں تطبیق ممکن ہے اور وہ یہ کہ صحابہ کرامؓ اونٹ کو ذبح کرنے اور اس کے حصے بنانے میں ماہر تھے اور یہ کام وہ تیزی سے انجام دیتے تھے، اس لئے کہ اس زمانہ میں عرب میں اونٹ اور اس کے گوشت کا کثرت سے استعمال ہوتا تھا، یہی وجہ ہے کہ امام عینیؒ (م ۸۵۵ھ) صحیح بخاری کی روایت کے تحت کہتے ہیں: **'قد يجوز أن يكون كانوا يفعلون ذلك بسرعة عمل، وقد أخرت العصر، فليس في هذا الحديث عندنا حجة على من يرى تأخير العصر'** کہ (یہ کہنا) درست ہے کہ صحابہ کرامؓ نے عصر کو مؤخر کیا، (اس لئے کہ) وہ اونٹ کو ذبح کرنے، اس کے گوشت کو تقسیم کرنے کا کام جلدی سے کرتے تھے، لہذا ہمارے نزدیک اس حدیث میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے، جو عصر میں تاخیر کرنے والے کے خلاف حجت ہو۔ **(نخب الافکار: جلد ۳: صفحہ ۴۹۴)**

اور پھر امام عینیؒ کی بات کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ روایت میں رافع بن خدیجؓ نے جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے، **(كنا نصلي مع النبي صلى الله عليه وسلم العصر)** اور حدیث کا جملہ **(فتقسم عشر قسم)** بھی صاف طور سے دلالت کرتا ہے کہ کم سے کم ۱۰ افراد نے مل کر اونٹ کو ذبح کیا تھا، تبھی تو دس حصے بنائیں گے۔

۴ ۔ عبد الرحمن بن رافع بن خدیجؒ بھی ثقہ راوی ہیں۔

امام ابن حبانؒ، امام قاسم بن قطلوبغاؒ نے ثقات میں شمار کیا ہے۔**(کتاب الثقات لابن حبان: ج۵: ص۷۶، کتاب الثقات للقاسم: ج٦: ص۲۴۸)**

لہذا سوال یہ ہے کہ کتنی دیر میں دس افراد مل کر اونٹ کو ذبح کرکے، اس کے گوشت کو دس حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں؟

خاص طور سے جب کہ حدیث سے ثابت ہے کہ اونٹ کو ذبح کرکے حصہ بنانا صحابہؓ کیلئے بہت آسان اور کم وقت کا کام تھا۔ صحیح مسلم میں کہ عمرو بن العاصؓ نے مرض الوفات میں اپنے بیٹے اور ساتھوں کو نصیحت کی کہ:

ثم أقيموا حول قبري قدر ما تنحر جزور ويقسم لحمها

جب تم مجھ کو دفن کردو، تو پھر میری قبر کے اطراف اتنی دیر ٹھہرو، جتنی دیر میں اونٹ کو ذبح کرکے اور اس کے گوشت کو تقسیم کیا جاتا ہے۔**(صحیح مسلم: ج۱: ص ۱۱۲، ترتیب شیخ فوائد عبد الباقی)**

یہ روایت صاف طور سے دلالت کررہی ہے کہ صحابہ کرامؓ کے لئے اونٹ کو ذبح کرکے اور اس کے گوشت کو تقسیم کرنا زیادہ سے زیادہ '۱۵' سے '۲۰' منٹ کا کام تھا۔

الغرض جب ان تمام نکتوں پر غور کیا جائے، تو معلوم ہوتا ہے کہ ڈیڑھ گھنٹہ میں '۱۰' افراد کا اونٹ کو ذبح کرکے، اس کے حصے بنا کر، گوشت کو پکا کر اور اس سے فارغ ہونا کوئی بعید بات نہیں، خاص طور سے جبکہ وہ تیزی سے کام کرنے والے ہوں۔

خلاصہ:

نہ عبد الواحد بن نافعؒ اس روایت میں منفرد ہیں اور نہ ہی انہوں نے اہل حجاز سے الٹی روایت بیان کی ہے اور جس سیدھی روایت کی وجہ سے ابن حبانؒ نے کہا: وہ اہل حجاز سے الٹی روایت بیان کرتے ہیں، وہ سیدھی روایت نہ خود صریح ہے اور نہ ہی '**تعجیل العصر**' پر دلالت کرتی ہے، جس کی تفصیل گزر چکی۔(یہی جواب امام بخاریؒ کے قول کا بھی ہے)

لہذا جب اصل روایت ہی صریح نہیں ہے، تو ابن حبانؒ کا عبد الواحد بن نافعؒ پر الٹی روایت بیان کرنے کی جرح بھی غیر صحیح ہے، لہذا جرح کے مقابلہ میں ان کی توثیق کو ہی ترجیح حاصل ہے۔

۵ – رافع بن خدیجؓ مشہور صحابی ہیں۔(**تقریب**)

لہذا یہ سند حسن ہے۔

دلیل نمبر ۲ :

امام ابو جعفر عقیلیؒ (**م ۳۲۲ھ**) فرماتے ہیں کہ :

حدثنا أحمد بن محمد بن عاصم قال: حدثنا محمد بن عباد المكي قال: حدثنا حاتم بن إسماعيل، عن يزيد بن عمرو الأسلمي، عن عبد العزيز بن عقبة بن سلمة بن الأكوع قال: صليت مع عبد الله بن رافع بن خديج العصر وهو بالضرية قال: فأهل البادية يؤخرون العصر فأخرها هو، قال: فقلت له: لقد أخرت هذه الصلاة، فقال بيديه وحركهما: مالي وللبدع مرتين أو ثلاثا هذه صلاة آبائي مع رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

عبد العزیز بن عقبہؒ کہتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن رافعؒ کے ساتھ عصر کی نماز ضریہ میں ادا کی، اور دیہات والے عصر کی نماز کو تاخیر سے ادا کرتے ہیں، تو عبد اللہ بن رافعؒ نے بھی عصر کی نماز میں تاخیر کی، تو میں نے کہا آپ نے یہ نماز کو مؤخر کیا ہے، تو انہوں نے اپنے دونوں ہاتھوں کو حرکت دیتے ہوئے ۲ یا ۳ مرتبہ کہا کہ: مجھے بدعت سے کیا لینا دینا ہے، یہی میرے والد کی نماز تھی حضور ﷺ کے ساتھ۔(**الضعفاء الکبیر للعقیلی: ۳/۱۳**، واللفظ لہ، **التاریخ الکبیر للبخاری: ج۵: ص ۸۸**)

اس روایت کے رواۃ کا حال ملاحظہ فرمایئے:

۱ – امام عقیلیؒ (**م ۳۲۲ھ**) مشہور ثقہ، حافظ الحدیث ہیں۔(**تاریخ الاسلام: جلد۷: صفحہ ۴۶۷، کتاب الثقات للقاسم: جلد ۱ : صفحہ ۴۴۶**)

۲ – حافظ احمد بن محمد بن عاصم الرازی بھی ثقہ، حافظ ہیں۔(**تاریخ الاسلام: جلد ۶: صفحہ ۴۹۹، کتاب الثقات للقاسم: جلد ۲: صفحہ ۴۴**)

۳ – محمد بن عباد المکّیؒ (**م ۲۳۴ھ**) صحیح بخاری کے راوی اور ثقہ ہیں۔(**تاریخ الاسلام: جلد ۵: صفحہ ۹۲۰**)

۴ – حاتم بن اسماعیل المدنیؒ (م۱۸۷ھ) بھی صحیحین کے راوی ہیں، اور ثقہ، صدوق اور صحیح الکتاب ہیں۔ **(تقریب: رقم ۹۹۴، الکاشف)**

۵ – یزید بن عمرو الاسلمیؒ بھی ثقہ ہیں۔

امام ابن حبانؒ نے ثقات میں شمار کیا ہے۔ **(کتاب الثقات لابن حبان: جلد۷: صفحہ ۲۵)**، امام ابن عدیؒ نے باوجود ان کا علم ہونے کے ان کا ترجمہ الکامل میں ذکر نہیں کیا۔ **(الکامل: جلد۹: صفحہ ۵۰۵)**، لہذا باصول غیر مقلدین یہ راوی، امام ابن عدیؒ کے نزدیک ثقہ ہے۔ **(انوار البدر: ۱۸۸)**

۶ – عبد العزیز بن عقبہ بن سلمہ الاسلمیؒ کو امام ابن حبانؒ، امام قاسم بن قطلوبغاؒ نے ثقات میں شمار کیا ہے۔ **(کتاب الثقات: لابن حبانؒ: جلد۷: صفحہ ۱۱۵، کتاب الثقات للقاسم: جلد ۶: صفحہ ۳۸۰)**

لہذا آپؒ بھی ثقہ ہیں۔[2]

---

[2] عبد العزیز بن عقبہ بن سلمہ الاسلمیؒ پر امام بخاریؒ اور امام ابو حاتمؒ کا قول '**لا يصح حديثه**' جرح غیر مفسر ہے، اور تعدیل، جرح غیر مفسر پر مقدم ہوتی ہے، جیسا کہ غیر مقلدین کا اصول ہے۔

پھر امام ابو حاتمؒ اور امام بخاریؒ خود غیر مقلدین کے نزدیک متشدد بھی ہیں۔ **(دین الحق: ج۱: ص۳۶۵، نماز میں ہاتھ کہاں باندھیں: ص۳۹-۴۰)** اور متشدد کی جرح غیر مقلدین کے نزدیک غیر مقبول ہے۔ **(دین الحق: ج۱: ص ۳۶۶)**

نیز، ہماری تحقیق میں امام بخاریؒ نے ۲ وجہوں سے عبد العزیز بن عقبہ بن سلمہ الاسلمیؒ کے بارے میں کہا کہ '**لا يصح حديثه**' کہ ان کی حدیث صحیح نہیں ہے۔

اول امام بخاریؒ کے نزدیک یزید بن عمرو الاسلمی کا سماع عبد العزیز بن عقبہ سے مشہور نہیں ہے۔ **(التاریخ الاوسط: جلد ۲: صفحہ ۶۵)** اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو منقطع کہا ہے۔ **(التاریخ الکبیر: جلد ۶: صفحہ ۲۳)**، لیکن اس روایت کو منقطع کہنا صحیح نہیں ہے، جس کا جواب ان شاء اللہ آگے آرہا ہے۔

دوم امام بخاریؒ نے رافع بن خدیجؓ کی روایت '**كنا نصلي مع النبي صلى الله عليه وسلم العصر، فننحر جزورا، فتقسم عشر قسم، فنأكل لحما نضيجا قبل أن تغرب الشمس**' کو '**تعجيل العصر**' پر محمول کر کے عبد العزیز بن عقبہ بن

۷ – عبد اللہ بن رافع بن خدیجؒ بھی ثقہ راوی ہیں، امام ابن حبانؒ، امام قاسم بن قطلوبغاؒ نے ثقات میں شمار کیا ہے، اور ابن سعدؒ نے ثقہ قرار دیا ہے۔ **(کتاب الثقات للقاسم: جلد ۶: صفحہ ۱۴)**

۸ – رافع بن خدیجؓ مشہور صحابی رسول ہیں۔ **(تقریب)**

معلوم ہوا کہ اس روایت کے تمام رجال ثقہ ہیں اور اس کی سند حسن ہے۔[3]

وضاحت:

سلمہ الاسلمیؓ کی روایت کو غیر صحیح کہا ہے، کیونکہ امام بخاریؒ۔ **التاریخ الکبیر: جلد ۵: صفحہ ۸۹**، پر '**تأخیر العصر**' کی دونوں حدیثوں کو ذکر کرکے، رافع بن خدیجؓ کی روایت '**کنا نصلي مع النبي صلی اللہ علیہ وسلم العصر، فننحر جزورا، فتقسم عشر قسم، فنأکل لحما نضیجا قبل أن تغرب الشمس**' کو '**اصح**' کہا، لیکن اس کی تفصیل گزر چکی ہے کہ یہ اونٹ والی رافع بن خدیجؓ کی روایت عصر کی نماز جلدی پڑھنے پر دلالت نہیں کرتی، لہذا ان دونوں وجوہات کی وجہ سے امام بخاریؒ کی جرح غیر صحیح ہے۔ واللہ اعلم

[3]**اعتراض:**

امام بخاریؒ نے کہا کہ: یزید بن عمرو الاسلمی کا سماع عبد العزیز بن عقبہ سے مشہور نہیں ہے۔ **(التاریخ الاوسط: جلد ۲: صفحہ ۶۵)** اور اس حدیث کو منقطع کہا ہے۔ **(التاریخ الکبیر: جلد ۶: صفحہ ۲۳)**

الجواب:

سند کے اتصال کی شرط:

امام بخاریؒ کے نزدیک استاد اور شاگرد کے درمیان معاصرت کے ساتھ ساتھ ثبوت سماع بھی شرط ہے، لیکن امام مسلمؒ اور دوسروں کے نزدیک استاد اور شاگرد کے درمیان صرف معاصرت بھی کافی ہے، سند کے متصل ہونے کیلئے ثبوت سماع شرط نہیں ہے ۔یہی وجہ ہے کہ امام مسلمؒ نے صحیح مسلم کے مقدمہ میں امام بخاریؒ کے اس اصول کا رد کیا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے **مقدمہ صحیح مسلم، موقف الامامین البخاری و مسلم من اشتراط اللقیا والسماع: ص ۵۱۔**

لہذا راجح اصول کے مطابق، یہ روایت متصل اور حسن درجہ کی ہے۔ واللہ اعلم

اس روایت سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ عصر کی نماز میں تاخیر فرماتے تھے اور نیز آنے والی روایت سے مزید وضاحت ہوتی ہے کہ ۲ مثل تک یہ تاخیر ہوتی تھی، یعنی آپ ﷺ ۲ مثل کے وقت پر عصر کی نماز پڑھنے کا حکم دیتے تھے۔

دلیل نمبر ۳:

امام ابن ابی خیثمہؒ (م ۲۷۹ھ) فرماتے ہیں کہ:

حَدَّثَنا مُوسَى بن إسماعيل، قال: حدثنا حَمَّاد بن سَلَمَة، قال: أخبرنا هِشَامُ بْنُ عُرْوَة، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ الْمُغِيرَة بْنَ شُعْبَة كَانَ يُؤَخِّرُ الصَّلاة، فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ مِنَ الأَنْصَارِ: أَمَا سمعتَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "قَالَ لِي جِبْرِيلُ صلِّ صَلاةَ كَذَا فِي سَاعَةِ كَذَا حَتَّى عدَّ الصَّلَوَاتِ"؟ فَقَالَ: بَلَى! قَالَ: فَأَشْهَدُ أَنَّا كُنَّا نُصَلِّي الْعَصْر مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ والشَّمس بَيْضَاءُ نَقِيَّةٌ ثم أتى بني عمرو بن عوف وإنها لمرتفعة وهي على رأس ثلثي فرسخ من المدينة۔

حضرت عروہؒ کہتے ہیں کہ مغیرہ بن شعبہؓ عصر کی نماز کو تاخیر سے پڑھا کرتے تھے تو ان سے ایک انصاری نے کہا: کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کا فرمان نہیں سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھ سے جبریل نے کہا: فلاں نماز فلاں وقت میں پڑھئے، یہاں تک کہ جبریل نے تمام نمازوں کے اوقات بتائے۔

تو حضرت مغیرہؓ نے جواب دیا کہ کیوں نہیں، لیکن میں گواہی دیتا ہوں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عصر کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جب سورج سفید اور صاف ہوتا تھا، پھر میں بنو عمرو بن عوف کے پاس آتا، تو سورج بلند ہی ہوتا، اور بنو عمرو بن عوف مدینہ سے دو تہائی فرسخ دور ہے۔ **(تاریخ ابن ابی خیثمہ: جلد ۱: صفحہ ۱۷۹، حدیث نمبر ۴۲۷**، واسنادہ حسن**)**

اس سند کے سارے راوی ثقہ ہیں۔

۱ – امام ابو بکر بن ابی خیثمہؒ (م ۲۷۹ھ) مشہور ثقہ، امام اور صاحبِ تاریخ ہیں۔ **(تاریخ الاسلام: جلد ۶: صفحہ ۴۸۱)**

۲ – ابو سلمہ موسیٰ بن اسماعیلؒ (م ۲۲۳ھ) صحیحین کے راوی اور ثقہ، ثبت ہیں۔ **(تقریب: رقم ۶۹۴۳)**

۳ – امام حماد بن سلمہؒ (م ۱۶۷ھ) صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے راوی اور ثقہ عابد ہیں۔ **(تقریب: رقم ۱۴۹۹)** [4]

۴ – ہشام بن عروہؒ (م ۱۴۶ھ) صحیحین کے راوی اور ثقہ، فقیہ ہیں۔ **(تقریب: رقم ۷۳۰۲)**

۵ – امام عروہؒ (م ۹۴ھ) صحیحین کے راوی، اور ثقہ ہیں۔ **(تقریب: رقم ۴۵۶۱)**

۶ – مغیرہ بن شعبہؓ مشہور صحابی رسول ہیں۔ **(تقریب)**

معلوم ہوا کہ اس سند کے تمام روات ثقہ اور یہ سند حسن ہے۔

وضاحت:

اس روایت سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ مغیرہ بن شعبہؓ اور حضور ﷺ ۲ مثل کے بعد عصر کی نماز ادا فرماتے تھے، کیونکہ اگر مغیرہؓ ۲ مثل سے پہلے عصر کی نماز ادا کی ہوتی تو انصاری صحابیؓ کا انہیں جبریل علیہ السلام کی روایت یاد دلانا بے معنیٰ ہوتا، لیکن جب انصاری صحابی نے انہیں جبریل علیہ السلام کی روایت یاد دلائی، تو ان کا عمل اس

---

[4] غیر مقلدین کے نزدیک حماد بن سلمہؒ کا مختلط ہونا ثابت نہیں ہے، چنانچہ کفایت اللہ سنابلی صاحب لکھتے ہیں کہ حماد بن سلمہ پر اختلاط کا الزام مردود ہے۔ **(انوار البدر: صفحہ ۲۲۶)**

نیز، زبیر علی زئی صاحب نے یہ اصول بتایا ہے کہ محدثین کی تصحیح سے راوی کا اپنے مختلط شیخ سے قبل الاختلاط سماع ثابت ہوتا ہے۔ **(دین میں تقلید کا مسئلہ: صفحہ ۳۶)** **'موسی بن إسماعیل حدثنا حماد بن سلمة'** کی سند کو امام بخاریؒ، امام حاکمؒ، امام ذہبیؒ، امام ضیاء الدین مقدسیؒ، امام ابو عوانہؒ، امام ابو نعیمؒ اور شیخ البانیؒ نے صحیح اور حسن کہا ہے۔ **(جزء رفع الیدین:** ترجمہ زبیر علی زئی: **صفحہ، المستدرک للحاکم مع التلخیص للذہبی: جلد ۲: صفحہ ۱۲۳، حدیث ۲۵۳۱، الحدیث المختارۃ: جلد ۲: صفحہ ۲۵۳، صحیح ابی عوانہ: حدیث ۶۷۸۳، المستدرک علی صحیح مسلم لابی نعیم: جلد ۱: صفحہ ۱۴۷، سنن ابی داؤد، بتحقیق البانی: حدیث نمبر ۳۷۲)**، زبیر علی زئی صاحب نے **'موسی بن إسماعیل حدثنا حماد بن سلمة'** کی حدیث کے بارے میں کہا کہ: حمادؒ نے یہ حدیث اختلاط سے پہلے بیان کی ہے۔ **(جزء رفع الیدین،** ترجمہ زبیر علی زئی: **صفحہ ۴۷)**، یعنی علی زئی صاحب کے نزدیک موسیٰ بن اسماعیل نے حماد بن سلمہؒ سے اختلاط سے پہلے روایت کیا ہے، لہذا غیر مقلدین کے اپنے ہی اصول سے موسیٰ بن اسماعیلؒ کا سماع حماد بن سلمہؒ سے ان کے اختلاط سے پہلے ثابت ہوتا ہے، لہذا اس روایت میں بھی حماد بن سلمہؒ کے مختلط ہونے کا اعتراض، خود اہل حدیثوں کے اپنے ہی اصول سے مردود ہے۔

بات کی دلیل ہے کہ مغیرہ بن شعبہؓ نے عصر کی نماز، حدیثِ جبریل میں بتائے گئے وقت کے مطابق نہیں پڑھی، یعنی ۲ مثل کے بعد پڑھی تھی۔

اور پھر مغیر بن شعبہؓ نے باوجود حدیثِ جبریل کا علم ہونے کے، اس کے مقابلہ میں کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عصر کی نماز ایسی حالت میں پڑھتے تھے جب کہ سورج صاف اور سفید ہوتا تھا۔

ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ عصر کی نماز ۲ مثل کے بعد پڑھتے تھے، جب تک کہ سورج صاف اور سفید ہوتا تھا۔

ائمہ فقہاء کی عبارت:

ائمہ فقہاء نے بھی '**الشمس بیضاء نقیة**' والی روایت کو عصر کی تاخیر پر یعنی ۲ مثل کے بعد کا وقت مراد لیا ہے، چنانچہ:

۱۔ ثقہ، حافظ، فقیہ امام محمدؒ (م ۱۸۹ھ) فرماتے ہیں کہ:

تأخير العصر أفضل من تعجيلها، مادامت الشمس بيضاء نقية لم تخالطها صفرة[5] **وهو قول أبي حنيفة رحمه الله، والعامة من فقهائنا رحمهم الله تعالى۔**

عصر کی نماز، جلدی پڑھنے کی بنسبت تاخیر سے پڑھنا افضل ہے، جب تک کہ سورج صاف اور سفید ہو اور اس میں زردی داخل نہ ہوئی ہو، اور یہی امام ابو حنیفہؒ اور ہمارے عام فقہاء کا قول ہے۔ (**مؤطا امام محمد: حدیث نمبر ۱۰۰۸**)

ایک اور مقام پر کہتے ہیں کہ:

---

[5] نمازِ عصر کے وقت سے متعلق، امام محمدؒ نے امام ابو حنیفہؒ کا قول بیان کرتے ہوئے جو الفاظ تحریر کئے ہیں، یہی الفاظ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو خط میں تحریر فرمائے تھے: **أن عمر بن الخطاب، كتب إلى أبي موسى الأشعري: أن صل۔۔۔۔۔ والعصر والشمس بيضاء نقية قبل أن تدخلها صفرة۔ (مؤطا مالک: حدیث ۱۰)** اس کی سند "مالك، عن عمه أبي سهيل بن مالك، عن أبيه" صحیحین کی شرط پر ہے۔

تأخير العصر أفضل عندنا من تعجيلها إذا صليتها والشمس بيضاء نقية لم تدخلها صفرة، وبذلك جاءت عامة الآثار، وهو قول أبي حنيفة، وقد قال بعض الفقهاء: إنما سميت العصر لأنها تعصر وتؤخر۔

ہمارے نزدیک عصر کی نماز جلدی پڑھنے کی بنسبت تاخیر سے پڑھنا افضل ہے، جبکہ ایسے وقت میں پڑھی جائے کہ سورج صاف اور سفید ہو اور اس میں زردی داخل نہ ہوئی ہو، اکثر حدیثوں میں یہی آیا ہے، اور یہی امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے اور بعض فقہاء نے کہا کہ: عصر کو عصر اس لئے کہا جاتا ہے کہ اسے دن کے اخیری وقت میں پڑھا جاتا ہے اور تاخیر کی جاتی ہے۔ **(مؤطا امام محمد: حدیث نمبر ۴)**

۲ – صدوق، فقیہ شمس الائمہ، امام سرخسیؒ (م ۴۸۳ھ) فرماتے ہیں کہ:

(ولنا) حديث ابن مسعود - رضي الله تعالى عنه - قال كان النبي - صلى الله عليه وسلم - يصلي العصر والشمس بيضاء نقية وهذا منه بيان تأخير للعصر۔

اور ہماری دلیل ابن مسعودؓ کی حدیث ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ عصر کی نماز اس وقت پڑھتے تھے، جب سورج سفید اور صاف ہوتا، اور اس میں آپ نے عصر کی تاخیر بیان فرمائی ہے۔ **(المبسوط: جلد ۱: صفحہ ۱۴۷)**

۳ – ثقہ، مجتہد امام ابو بکر جصاص الرازیؒ (م ۳۷۰ھ) نے بھی '**الشمس بيضاء نقية**' کی ایک روایت سے تاخیر العصر پر استدلال کیا ہے۔ **(شرح مختصر الطحاوی للجصاص: جلد ۱: صفحہ ۵۱۴)**

ثابت ہوا کہ احادیث میں '**الشمس بيضاء نقية**' سے مراد ۲ مثل کا وقت ہی ہے، نیز ان روایات میں 'تاخیر العصر' کی بھی صراحت ہے، جس سے اس کا ۲ مثل کا وقت ہونا اور بھی واضح ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

دلیل نمبر ۴:

امام ابو داؤدؒ (م ۲۷۵ھ) فرماتے ہیں کہ:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْعَنْبَرِيُّ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ أَبِي الْوَزِيرِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَزِيدَ الْيَمَامِيُّ، حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ شَيْبَانَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَلِيِّ بْنِ شَيْبَانَ قَالَ: قَدِمْنَا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ فَكَانَ يُؤَخِّرُ الْعَصْرَ مَا دَامَتِ الشَّمْسُ بَيْضَاءَ نَقِيَّةً۔

حضرت علی بن شیبانؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ مدینہ میں آنحضرت ﷺ کے پاس آئے، تو آپ ﷺ عصر کی نماز مؤخر کر کے پڑھتے تھے، جب تک کہ سورج صاف اور سفید ہوتا۔ **(سنن ابی داؤد: حدیث نمبر ۴۰۸)**

اعتراض:

اس روایت میں یزید بن عبد الرحمنؒ اور محمد بن یزید الیمامیؒ مجہول ہیں۔

الجواب:

اس روایت پر امام ابو داؤدؒ **(م ۲۷۵ھ)** اور امام منذریؒ **(م ۶۵۰ھ)** نے سکوت اختیار کیا ہے۔ **(سنن ابی داؤد : حدیث نمبر ۴۰۸، مختصر سنن ابی داؤد: جلد ۱: صفحہ ۱۷۹)**

امام ماردینیؒ **(م ۷۵۰ھ)** فرماتے ہیں کہ **"اخرجه أبو داود وسكت عنه"** امام ابو داؤدؒ نے اسے روایت کیا ہے اور اس پر سکوت کیا ہے۔ **(الجوہر النقی: ج ۱: ص ۴۴۱)**

اور غیر مقلد عالم قاضی شوکانیؒ کہتے ہیں کہ **"وما سكتا عليه جميعاً فلا شك أنه صالح للاحتجاج"** جس روایت پر وہ دونوں (یعنی امام ابو داؤدؒ اور امام منذریؒ) سکوت فرمائیں، تو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ روایت احتجاج کے لائق ہے۔ **(نیل الاوطار: جلد ۱: صفحہ ۲۵، ۱۱۰)**

معلوم ہوا کہ خود غیر مقلدین کے اصول کی روشنی میں یہ روایت امام ابو داؤدؒ اور امام منذریؒ کے نزدیک صحیح ہے۔

خود امام ابو داوٗدؒ نے بھی فرمایا ہے کہ **"مالم أذكر فيه شيئا فهو صالح"** جس حدیث پر میں کوئی کلام نہ کروں وہ (احتجاج واستدلال) کے لائق ہے۔ **(رسالة إلى أهل مكة: صفحہ ۲۹)** [6]

اسی طرح، امام ابو علی بن السکنؒ **(م ۳۵۳ھ)** امام ابو عبد اللہ ابن مندہؒ **(م ۳۹۵ھ)**، امام حاکمؒ **(م ۴۰۵ھ)** اور امام ابو طاہر سِلَفی ؒ **(م ۵۷۶ھ)** وغیرہ نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ **(مقدمہ ابن الصلاح: صفحہ ۱۱۱، النکت علی ابن الصلاح لابن حجر: جلد ۱: صفحہ ۴۸۲)** [7]

اور محدثین کا کسی روایت کو صحیح قرار دینا، غیر مقلدین کے نزدیک اس روایت کے ہر ہر راوی کی توثیق ہوتی ہے۔ **(مجلہ الاجماع: ش ۲: ص ۱۷)**

---

[6] امام ابن خزیمہؒ کی شرط کا دفاع کرتے ہوئے، زبیر علی زئی صاحب کہتے ہیں کہ صحیح ابن خزیمہ کی وہ تمام روایات، جنہیں امام ابن خزیمہؒ نے روایت کر کے جرح نہیں کی، امام ابن خزیمہؒ کے نزدیک صحیح ہیں، لیکن یہ ضروری نہیں کہ اس تصحیح کے ساتھ ہر عالم متفق ہو۔ **(فتاویٰ علمیہ: جلد ۲: صفحہ ۳۰۴)**

لہٰذا خود غیر مقلدین کے اصول کی روشنی میں عرض ہے کہ:

یہی مطلب امام ابو داوٗدؒ کے سکوت کا بھی ہے کہ سنن ابی داوٗد کی وہ تمام روایات، جنہیں امام ابو داوٗدؒ نے روایت کر کے جرح نہیں کی، امام ابو داوٗدؒ کے نزدیک صحیح اور صالح ہیں، لیکن یہ ضروری نہیں کہ اس تصحیح کے ساتھ ہر عالم متفق ہو، امید ہے کہ غیر مقلدین امام ابو داوٗدؒ کے سکوت پر اعتراض کرنے سے باز رہیں گے۔

[7] امام ابو علی ابن السکنؒ **(م ۳۵۳ھ)**، امام ابو عبد اللہ بن مندہؒ **(م ۳۹۵ھ)**، امام حاکمؒ **(م ۴۰۵ھ)** نے سنن ابی داوٗد پر صحت کا حکم لگایا ہے، جیسا کہ امام ابن حجرؒ نے نقل کیا ہے، اسی طرح امام ابو طاہر سلفیؒ نے کہا کہ: مشرق و مغرب کے علماء (جن میں وہ خود بھی شامل ہیں) کا کتبِ خمسہ (جن میں سنن ابی داوٗد بھی شامل ہے) کی صحت پر اتفاق ہے۔

ان عبارتوں کا مطلب، اہل حدیثوں کے اپنے اصول کی روشنی میں یہی ہے کہ یہ تصحیحات مذکورہ محدثین کے نزدیک درست ہیں، باقی ہر عالم کا اس سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

اس لحاظ سے اس روایت کے سارے راوی، امام ابو داؤدؒ (م **۲۷۵ھ**) امام ابو علی ابن السکنؒ (م **۳۵۳ھ**) امام ابو عبد اللہ بن مندہؒ (م **۳۹۵ھ**) امام حاکمؒ (م **۴۰۵ھ**) امام ابو طاہر سلفیؒ (م **۵۷۱ھ**) امام منذریؒ (م **۶۵۰ھ**) کے نزدیک ثقہ ہیں۔

لہذا اس روایت کے راویوں پر مجہول ہونے کی جرح باطل و مردود ہے۔

وضاحت:

اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد، امام بدر الدین عینیؒ (م **۸۵۵ھ**) فرماتے ہیں کہ: "**وهذا الحديث يدل على أنه -عليه السلام- كان يُصلي العَصر عند صيرورة ظل كل شيء مثليه، وهو حجة لأبي حنيفة على مخالفيه**" یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ عصر کی نماز اس وقت ادا فرماتے تھے، جب ہر چیز کا سایہ اسکے دو مثل ہو جاتا تھا، اور یہ حدیث امام ابو حنیفہؒ کی دلیل ہے، ان کے مخالفین پر۔ (**شرح سنن ابی داؤد للعینی: جلد ۲: صفحہ ۲۶۸**)

دلیل نمبر ۵:

امام ترمذیؒ (م **۲۷۹ھ**) فرماتے ہیں کہ

حدثنا علي بن حجر قال: حدثنا إسماعيل ابن علية عن أيوب عن ابن أبي مليكة عن أم سلمة - رضي الله عنها - قالت: "كان رسول الله - صلى الله عليه وسلم - أشد تعجيلا للظهر منكم وأنتم أشد تعجيلا للعصر منه"

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز، بنسبت تمہارے، جلدی ادا فرماتے تھے، اور آپ لوگ عصر کی نماز، بنسبت رسول اللہ ﷺ کے، جلدی ادا کرتے ہو۔ (**سنن ترمذی: جلد ۱: صفحہ ۳۰۲، حدیث ۱۶۱**)

اس حدیث کے تمام رواۃ: علی بن حُجر، اسماعیل ابن علیہ، أیوب سختیانی، اور عبد اللہ بن ابی ملیکہ، مشہور ثقات، اور صحیحین کے رجال ہیں۔

لہذا یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔

غیر مقلد عالم و محدث شیخ البانیؒ نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔(**صحیح وضعیف سنن ترمذی: حدیث ۱۶۱، مشکاۃ، تحقیق ثانی: ۶۱۹۵**)

اس حدیث کی وضاحت:

اس حدیث پر امام ترمذیؒ (**م۲۷۹ھ**) نے "تاخیر العصر" کا عنوان لگایا ہے، معلوم ہوا امام ترمذیؒ کے نزدیک ، یہ حدیث تاخیر عصر پر دلالت کرتی ہے۔امام مغلطائیؒ (**م۷۶۲ھ**) نے اس حدیث کو تاخیر عصر کے مستدلات میں ذکر کیا ہے۔(**شرح ابن ماجہ لمغلطائی: ص ۱۰۰۱**) یہی بات ملا علی قاریؒ نے بھی تحریر فرمائی ہے کہ "**یدل الحدیث علی استحباب تأخیر العصر**" یہ حدیث تاخیر عصر کے استحباب پر دلالت کرتی ہے۔(**مرقاۃ المفاتیح: جلد ۲: صفحہ ۵۳۸، حدیث ۶۱۹**)

اس حدیث کی شرح میں مولانا مفتی سعید صاحب پالنپوری دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

حضرت ام سلمہؓ اپنے زمانہ کے لوگوں پر نقد کرتے ہوئے فرماتی ہیں: آپ لوگ ظہر کی نماز زیادہ تاخیر کرکے پڑھتے ہو جبکہ رسول اللہ ﷺ اتنی تاخیر نہیں کیا کرتے تھے اور آپ لوگ عصر کی نماز جلدی پڑھتے ہو جبکہ حضور اکرم ﷺ اتنی جلدی عصر نہیں پڑھتے تھے، یعنی وہ فرمارہی ہیں کہ لوگو! اپنے دونوں عمل بدلو اور ظہر کو تھوڑا پہلے اور عصر کو کچھ تاخیر سے پڑھو، ظاہر ہے وہ لوگ وقت داخل ہونے کے بعد ہی عصر پڑھتے ہوں گے پھر بھی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا تنبیہ کرتی ہیں، معلوم ہوا کہ آنحضور ﷺ عصر میں کچھ تاخیر کیا کرتے تھے اور یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے۔(**تحفۃ الألمعی: ج۱: ص ۴۶۲**)

دلیل نمبر ۶ :

امام ابن ابی شیبہؒ (**م۲۳۵ھ**) فرماتے ہیں کہ:

وكيع عن عمر بن منبه عن سوار بن شبيب عن أبي هريرة أنه كان يؤخر العصر حتى أقول: قد اصفرت الشمس۔

حضرت ابو ہریرہؓ عصر کی نماز مؤخر کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ میں کہتا کہ سورج زرد ہو گیا۔ **(مصنف ابن ابی شیبہ: حدیث نمبر ۳۳۲۸)**

اس حدیث کی سند کے رواۃ کی تعریف یہ ہے:

۱ – امام ابن ابی شیبہؒ **(م ۲۳۵ھ)** **شیخین** کے استاذ اور ثقہ، حافظ الحدیث ہیں۔ **(تقریب: ۳۵۷۵)**

۲– امام وکیعؒ **(م ۱۹۷ھ)** بھی مشہور ثقہ، امام ہیں۔ **(تقریب: ۷۴۱۷)**

۳– عمر بن منبہ السعدی: (ان کو عمر بن مزید یا یزید بن منبہ بھی کہا جاتا ہے،) بھی ثقہ ہیں۔ **(الثقات للقاسم: ۸۳۲۲)**

۴– سوار بن شبیب السعدی بھی ثقہ راوی ہیں۔ **(الثقات للقاسم: ۴۹۴۷)**

لہذا یہ سند بالکل صحیح ہے۔

دلیل نمبر ۷ :

امام محمدؒ **(م ۱۸۹ھ)** فرماتے ہیں کہ:

أخبرنا مالك بن أنس عن يزيد بن زياد مولى بني هاشم عن عبد الله بن رافع مولى أم سلمة رضي الله عنها زوج النبي صلى الله عليه وسلم، عن أبي هريرة، أنه سأله عن وقت الصلاة فقال أبو هريرة: «أنا أخبرك، صل الظهر إذا كان ظلك مثلك، والعصر إذا كان ظلك مثليك، والمغرب إذا غربت الشمس والعشاء ما بينك وبين ثلث الليل فإن نمت إلى نصف الليل فلا نامت عيناك وصل الصبح بغلس۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ تو عصر کی نماز اس وقت ادا کر جب تیرا سایہ ۲ مثل ہو جائے۔ **(موطا امام محمد: ج ۱، موطا امام مالک: حدیث نمبر ۹)**

سند کے روات کی تحقیق:

۱ – امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ (م ۱۸۹ھ) مشہور فقیہ ربانی، ثقہ، حافظ ہیں۔ (**تلامذہ امام ابو حنیفہ کا محدثانہ مقام**، از مولانا حافظ ظہور احمد الحسینی: **ص ۳۲۳**)

۲- امام مالکؒ (م ۱۷۹ھ) صحیحین کے راوی اور امام دار الہجرۃ ہیں۔

۳ – یزید بن زیاد المدنی ترمذی کے راوی ہیں اور ثقہ ہیں۔ (**تقریب: رقم ۷۷۱۵**)

۴ – اسی طرح عبد اللہ بن رافع مولی ام سلمہ صحیح مسلم کے راوی اور ثقہ ہیں۔ (**تقریب: رقم ۳۳۰۵**)

۵- ابو ہریرۃؓ مشہور صحابی رسول ہیں۔ (**تقریب**)

معلوم ہوا کہ اس کی سند صحیح ہے۔[8]

اہل حدیثوں کا ایک اصول:

دلیل نمبر ۸ :

امام ابن ابی شیبہؒ (م ۲۳۵ھ) فرماتے ہیں کہ

حدثنا وكيع، عن علي بن صالح، وإسرائيل، عن أبي إسحاق، عن عبد الرحمن بن يزيد، عن عبد الله أنه كان يؤخر العصر۔

عبد اللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے کہ وہ عصر کی نماز تاخیر سے ادا کیا کرتے تھے۔ (**مصنف ابن ابی شیبۃ: ۳۳۱۰**)

سند کے روات کی تعریف یہ ہے:

---

[8] **نوٹ:** غلام مصطفی ظہیر صاحب نے علامہ عبد الحی لکھنویؒ کے حوالہ سے جو تاویل نقل کی ہے (**السنۃ: ش ۲۰: ص ۱۱**)، وہ باطل اور مردود ہے۔ اس لئے کہ مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت میں صراحت ہیں کہ حضرت ابو ہریرۃؓ عصر کی نماز مؤخر کیا کرتے تھے۔ اور خود ظہیر صاحب کے مسلک کا اصول ہے کہ حدیث خود حدیث کی وضاحت کرتی ہے۔ (**نور العینین: ص ۱۲۰**) لہذا حضرت ابو ہریرہ کے نزدیک یہی ہے کہ عصر کی نماز دو مثل پر پڑھنی چاہئے۔

۱ - امام ابن ابی شیبہؒ (م۲۳۵؁ھ) **شیخین** کے استاذ اور ثقہ، حافظ الحدیث ہیں۔ **(تقریب: رقم ۳۵۷۵)**

۲- امام وکیعؒ (م۱۹۷؁ھ) بھی مشہور ثقہ، امام ہیں۔ **(تقریب: رقم ۷۴۱۷)**

۳- علی بن صالحؒ (م۱۵۱؁ھ) صحیح مسلم کے راوی اور ثقہ ہیں۔ **(تقریب: ۴۷۴۸)** ان کے متابع اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاقؒ (م۱۶۰؁ھ) صحیحین کے راوی اور ثقہ، حجت ہیں۔ **(تقریب: ۴۰۱)**

۴- امام ابو اسحاق السبیعیؒ (م۱۲۹؁ھ) **بھی** صحیحین کے راوی ہے ثقہ، مکثر، عابد ہیں۔۔ **(تقریب: ۵۰۶۵)**

نوٹ:

ابو اسحاق سبیعیؒ (م۱۲۹؁ھ) کا آخری عمر میں حافظہ متغیر ہوگیا تھا، لیکن اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاقؒ (م۱۶۰؁ھ) نے ان سے اختلاط سے پہلے روایات لی تھی۔ **(بخاری: حدیث نمبر ۸۱۱، ۵۲۰، ۳۹۹، مسلم: ج۴: ص ۲۳۱۰، ۱۸۵۲، وغیرہ، مقالات از زبیر علی زئی: ج۴: ص۳۶۶)** لہذا اسرائیل بن یونسؒ کا اپنے دادا ابو اسحٰق سبیعیؒ سے سماع بالکل صحیح ہے۔

نیز یہ حدیث **"ثوری عن أبی إسحاق عن عبد الرحمن بن یزید"** کی سند سے بھی مروی ہے۔ **(مصنف عبد الرزاق: ۲۰۸۳)**

۵- عبد الرحمن بن یزیدؒ (م۸۳؁ھ) بھی ثقہ ہیں۔ **(تقریب: ۴۰۴۳)**

لہذا یہ سند بھی بالکل صحیح ہے، اور مسند احمد کے محققین، شیخ شعیب ارناؤط اور ان کے ساتھیوں نے اس سند کو صحیح علی شرط الشیخین کہا ہے۔ **(مسند احمد: ۲۳۴۰۸)**[9]

---

[9] **اعتراض:**

غلام مصطفٰی ظہیر صاحب کہتے ہیں کہ ابو اسحاق السبیعیؒ کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔ **(مجلہ السنہ: ش۲۰: ص۱۲)**

الجواب:

دلیل نمبر ۹ :

امام ابو عبد اللہ الحاکمؒ (م ۴۰۵ھ) نے کہا کہ:

حدثنا أبو بكر محمد بن أحمد بن بالويه الجلاب، ثنا محمد بن شاذان الجوهري، ثنا المعلى بن منصور، ثنا عبد الرحيم بن سليمان، ثنا أبو إسحاق الشيباني، عن العباس بن ذريح،عن زياد بن عبد الله النخعي , قال: كنا جلوسا مع علي رضي الله عنه في المسجد الأعظم , والكوفة يومئذ أخصاص , فجاءه المؤذن فقال: الصلاة يا أمير المؤمنين للعصر , فقال: «اجلس» , فجلس ثم عاد فقال ذلك , فقال علي رضي الله عنه: «هذا الكلب يعلمنا بالسنة» , فقام علي رضي الله عنه فصلى بنا العصر , ثم انصرفنا فرجعنا إلى المكان الذي كنا فيه جلوسا فجثونا للركب لنزول الشمس للمغيب نتراآها۔

زیاد بن عبد اللہ نخعیؒ کہتے ہیں کہ ہم حضرت علیؓ کے ساتھ بڑی مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے، اس وقت کوفہ کی بستی کچّے گھروں پر مشتمل تھی، مؤذن نے آکر عصر کی نماز کے بارے میں آپ سے کہا: **امیر المؤمنین** نماز!!! تو آپ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ، وہ بیٹھ گیا، (کچھ دیر بعد) دوبارہ آکر وہی بات کہی، تو حضرت علیؓ نے فرمایا: یہ کتّا ہم کو سنت سکھا رہا ہے، پھر آپؓ کھڑے ہوئے اور ہمیں عصر کی نماز پڑھائی، نماز کے بعد ہم اسی جگہ جاکر بیٹھ گئے جہاں ہم بیٹھے ہوئے تھے، پھر ہم دوزانو بیٹھ کر غروب کیلئے سورج کو نیچے اترتے دیکھنے لگے۔ **(المستدرک علی الصحیحین : جلد ۱: صفحہ ۳۰۵، رقم الحدیث ۶۹۰، الطبقات الکبریٰ لابن سعد: جلد ۶: صفحہ ۲۵۴، رقم ۲۲۹۰)**

امیر المومنین فی الحدیث امام ابو الحسن الدار قطنیؒ (م ۳۸۵ھ) نے کہا: "**أبو إسحاق ربما دلس**" ابو اسحاق السبیعیؒ کبھی کبھار تدلیس کرتے ہیں۔ **(الإلزامات والتتبع : ص ۳۶۳)**، امام ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) بھی فرماتے ہیں کہ "**كان أبو إسحاق ربما دلس**" ابو اسحاق سبیعیؒ کبھی کبھار تدلیس کرتے تھے۔ امام البیہقیؒ (م ۴۵۸ھ) بھی کہتے ہیں کہ "**أبا إسحاق ربما دلس**" ابو اسحاق کبھی کبھار تدلیس کرتے ہے۔ امام مغلطائیؒ (م ۷۶۲ھ) نے بھی یہی بات نقل کی ہے۔ **(شرح ابن ماجہ : ص ۷۳۴، انوار الطریق : ص ۸)**

یعنی امام ابو اسحاق سبیعیؒ (م ۱۲۹ھ) قلیل التدلیس ہیں، اور قلیل التدلیس کی "معنعن حدیث" خود غیر مقلدین کے نزدیک قابل قبول ہے۔ **(مجلہ الاجماع : ش ۳: ص ۲۴۲، نیز دیکھئے ص ۲۴۶)** لہذا غلام صاحب کا اعتراض باطل اور مردود ہے۔

اس حدیث کو امام حاکمؒ، امام ذہبیؒ اور امام مغلطائیؒ نے صحیح کہا ہے۔ **(المستدرک علی الصحیحین مع تلخیص للذہبی: جلد ۱: صفحہ ۳۰۵، رقم ۶۹۰، شرح ابن ماجہ للمغلطائی: ص ۱۰۰۱)**

اس سند کے روات کی تحقیق یہ ہے :

(۱) حاکمؒ (م **۴۰۵ھ**) مشہور ثقہ، امام، حافظ الحدیث اور شیخ المحدثین ہیں۔ **(کتاب الثقات للقاسم : ج ۸: ص ۳۹۳، سیر اعلام النبلاء)**

(۲) **أبو بکر محمد بن أحمد بن بالویہ الجلاب**ؒ (م **۳۴۰ھ**) ثقہ **مکثر** ہیں۔ **(الروض الباسم فی تراجم شیوخ الحاکم: جلد ۲: صفحہ ۸۱۶، رقم الترجمہ ۷۱۲)**

(۳) **محمد بن شاذان الجوهري** بھی ثقہ ہیں۔ **(تقریب: رقم ۵۹۵۰)**

(۴) **المعلی بن منصور**: ثقہ، سني، فقیہ ہیں۔ **(تقریب: ۶۸۶۰)**

(۵) عبد الرحیم بن سلیمانؒ کی حدیث کو حاکمؒ، ذہبیؒ اور مغلطائیؒ نے صحیح قرار دیا ہے، جس کے حوالے گزر چکے۔

لہٰذا ان ائمہ کے نزدیک عبد الرحیم بن سلیمانؒ ثقہ ہیں۔

نیز الطبقات الکبری لابن سعد میں عبد الرحمن بن سلیمان کے متابع، ابو اسامۃ حماد بن اسامہؒ (م **۲۰۱ھ**) [ثقہ] موجود ہیں۔ **(الطبقات الکبریٰ لابن سعد: جلد ۶: صفحہ ۲۵۴، رقم ۲۲۹۰)** اور ابو اسامہؒ اہل کوفہ کی خبروں کے زیادہ جاننے والے تھے۔ (تہذیب الکمال)

(۵) **أبو إسحاق الشیباني** (سلیمان بن فیروز) ثقہ ہیں۔ **(موسوعۃ أقوال الدارقطنی : ج ۱: ص ۱۱۴، رقم ۴۶۷)**

(۶) عباس بن ذریحؒ بھی ثقہ ہیں۔ **(تقریب: ۳۱۶۸)**

(۷) زیاد بن عبد اللہ نخعی کو بعض لوگوں نے زیاد بن عبد الرحمن نخعی کہا ہے، اور وہ صدوق اور ثقہ راوی ہیں۔

امام ابن حبانؒ اور امام قاسم بن قطلوبغاؒ نے انہیں ثقات میں ذکر کیا ہے۔

امام دار قطنیؒ نے اعتراض کیا کہ وہ مجہول العین ہیں، کیونکہ ان سے صرف عباس بن ذریحؒ نے روایت کیا ہے، اسکا جواب قاسم بن قطلوبغاؒ نے دیا ہے کہ "وقد جزم أبو حاتم أنه عياش العامري،وابن ذريح عباس بالموحدة" ابو حاتمؒ نے جزم کے ساتھ کہا ہے کہ ان سے عیاش عامریؒ نے روایت لی ہے۔ **(لسان المیزان: جلد ۳: صفحہ ۵۳۴، رقم ۳۲۵۹، الثقات للقاسم: جلد ۴: صفحہ ۳۵۲، رقم ۴۰۸۵)**

لہذا مجہول العین کی جرح درست نہیں، نیز ان کی حدیث کو امام حاکمؒ، امام ذہبیؒ اور حافظ مغلطائی صحیح قرار دیا ہے، جیسا کے حوالے گزر چکے، اور غیر مقلدین کا اصول ہے کہ کسی حدیث کی تصحیح اس کے تمام روات کی توثیق ہوتی ہے۔ دیکھئے **(ص ۱۷)**

معلوم ہوا کہ زیاد بن عبد اللہ نخعیؒ، امام ابن حبانؒ، امام قاسم بن قطلوبغاؒ، امام حاکمؒ، امام ذہبیؒ اور امام قاسم بن قطلوبغاؒ کے نزدیک ثقہ ہیں۔

لہذا یہ حدیث صحیح ہے۔

دلیل نمبر ۱۰ :

امام ابن ابی شیبہؒ (م ۲۳۵ھ) فرماتے ہیں کہ :

حدثنا وكيع، عن ابن عون، عن أبي عاصم، عن أبي عون : أن عليا كان يؤخر العصر حتى ترتفع الشمس على الحيطان۔

حضرت علیؓ عصر کو تاخیر سے ادا فرماتے تھے یہاں تک کہ سورج، دیواروں پر بلند ہو جاتا۔ **(مصنف ابن ابی شیبہ : حدیث نمبر ۳۳۲۷)**

اس سند کے روات کا تعارف یہ ہے :

۱ - امام ابن ابی شیبہؒ (م ۲۳۵ھ) **شیخین** کے استاذ اور ثقہ، حافظ الحدیث ہیں۔ **(تقریب : رقم ۳۵۷۵)**

۲- امام وکیعؒ (م۱۹۷؁ھ) بھی مشہور ثقہ، امام ہیں۔ (تقریب: رقم ۷۴۱۷)

۳- ابن عونؒ سے مراد عبد اللہ بن عونؒ (م۱۵۰؁ھ) ہیں، جو کہ ثقہ، ثبت، فاضل ہیں۔ (تقریب: رقم ۳۵۱۹)

۴- ابو عاصم محمد بن ابی ایوب ثقفیؒ، صحیح مسلم کے راوی اور صدوق وثقہ ہیں۔ (تقریب: رقم ۵۷۵۳)

۵- ابو عون محمد بن عبید اللہ بن سعید الثقفیؒ (م۱۱۶؁ھ) صحیحین کے راوی اور ثقہ ہیں۔ (تقریب: رقم ۶۱۰۷)

۶- حضرت علیؓ مشہور صحابی رسول اور امیر المومنین ہیں۔ (تقریب)

معلوم ہوا کہ اس سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ مگر ابو عون محمد بن عبید اللہ بن سعید الثقفیؒ کا سماع حضرت علیؓ سے ثابت نہیں، لیکن ابو عونؒ نے یہاں پر ابو صالح عبد الرحمٰن بن قیس الحنفیؒ سے ارسال کیا ہے۔

کیونکہ (ہمارے علم کے مطابق) کتب حدیث میں موجود حضرت علیؓ سے مروی تمام اقوال کو ابو عونؒ (م۱۱۶؁ھ) نے ابو صالح عبد الرحمٰن بن قیس الحنفی کے واسطے سے بیان کئے ہے، تو یہاں پر بھی ابو عونؒ اور علیؓ کے درمیان ابو صالح الحنفیؒ موجود ہیں۔ لہذا یہ سند متصل اور صحیح ہے۔

دلیل نمبر ۱۱ :

امام ابن ابی شیبہؒ (م۲۳۵؁ھ) فرماتے ہیں کہ:

حدثنا وكيع، عن الأعمش، عن إبراهيم قال: «كان من قبلكم أشد تأخيرا للعصر منكم»

فقیہ العراق، امام ابراہیم نخعیؒ کہتے ہیں: تم سے پہلے لوگ (صحابہ کرامؓ اور کبارِ تابعین) تمہارے مقابلہ میں عصر کی نماز زیادہ تاخیر سے ادا کرتے تھے۔ **(مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۳۳۱)**

یہ سند علی شرط الشیخین ہے۔

امام ابرہیم نخعیؒ تابعین میں سے ہیں، آپ نے بچپن میں حضرت عائشہؓ کو دیکھا ہے، اس لئے ”تم سے پہلے لوگ“ سے مراد، بڑے درجہ کے تابعین اور صحابہ کرام ہیں۔

دلیل نمبر ۱۲ :

امام ابن ابی شیبہؒ (م۲۳۵ھ) فرماتے ہیں کہ:

حدثنا ابن علية، عن خالد، عن أبي قلابة قال: «إنما سميت العصر لتعتصر»

ابو قلابہؒ کہتے ہیں کہ: عصر کو عصر نام اسلئے دیا گیا تاکہ دن کے آخری حصہ میں پڑھی جائے۔ **(مصنف: ۳۳۳۷)**

نوٹ:

اس سند میں خالد سے مراد خالد حذاء ہیں، اور یہ سند بھی علی شرط الشیخین ہے، مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔

دلیل نمبر ۱۳ :

امام عبد الرزاقؒ (م۲۱۱ھ) کہتے ہیں:

عن معمر، عن أيوب، عن ابن سيرين، وأبي قلابة: «كانا يمسيان العصر»

ابن سیرینؒ اور ابو قلابہؒ، حسن بصریؒ عصر کی نماز، شام کے وقت پڑھتے تھے۔ **(مصنف عبد الرزاق: ۲۰۸۷)**

یہ روایت علی شرط مسلم ہے، لہذا یہ سند بھی بالکل صحیح ہے۔

نوٹ:

حسن البصریؒ کا ذکر اگلی حدیث (مصنف عبد الرزاق: حدیث ۲۰۸۸) میں موجود ہے، جس کی سند یوں ہے:

عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ أَنَّ الْحَسَنَ وَمُحَمَّدَ بْنَ سِيرِينَ وَأَبَا قِلَابَةَ: «كَانُوا يُمَسُّونَ بِالْعَصْرِ»

اس سند میں معمر عن خالد الحذاء ہے، اور یہ دونوں بھی مشہور ثقات ہیں۔ دیکھئے (تقریب، الکاشف وغیرہ)

دلیل نمبر ۱۴ :

امام طحاویؒ (م ۳۲۱ھ) فرماتے ہیں کہ:

حدثنا ابن مرزوق، قال: ثنا أبو عامر، قال: ثنا سفيان، عن منصور، عن إبراهيم قال: «كان من قبلكم أشد تعجيلا للظهر وأشد تأخيرا للعصر منكم».

حضرت ابراہیم نخعیؒ کہتے ہیں کہ تم سے پہلے لوگ (یعنی صحابہ کرامؓ) تمہارے مقابلہ میں ظہر میں زیادہ جلدی اور عصر میں زیادہ تاخیر کرنے والے تھے۔ **(شرح معانی الآثار: جلد ۱: صفحہ ۱۹۳، رقم الحدیث ۱۱۵۴)**

رواۃ کی تفصیل یہ ہیں:

(۱) امام طحاویؒ (م ۳۲۱ھ) ثقہ، ثبت حافظ الحدیث ہیں۔ **(کتاب الثقات للقاسم)**

(۲) ابراهيم بن مرزوق بن دينار الاموى : ثقة عمى قبل موته فكان يخطىء و لا يرجع ۔

ابن مرزوقؒ ثقہ ہیں، مگر اپنی وفات سے کچھ پہلے نابینا ہو گئے تھے، اس وقت اگر ان سے کوئی غلطی ہو جاتی اور ان کو بتایا جاتا تو وہ اس کو قبول نہیں کرتے تھے، آپ کی وفات ۲۷۰ھ میں ہے۔ **(تقریب: رقم ۲۴۸)**

لیکن امام طحاویؒ جن کی پیدائش ۲۳۹ھ میں ہے، نے ابراہیم بن مرزوقؒ سے ان کے نابینا ہونے سے بہت پہلے ہی سماع کر لیا تھا، اس لئے کہ یہ امام طحاویؒ کے وطن یعنی مصر میں فروکش تھے، اور محدثین کا طریقہ یہ تھا کہ وہ پہلے اپنے اہل وطن سے حدیث لیتے پھر سفر کر کے دوسرے علماء کے پاس جاتے، نیز امام طحاویؒ نے کم عمری سے حصول علم شروع

فرما دیا تھا، یہاں تک کہ آپ نے ھارون بن سعید الایلیؒ سے بھی حدیث لی ہے، جن کی وفات **۲۵۳ھ** میں ہے، جس وقت امام طحاویؒ کی عمر صرف ۱۴ سال تھی، سماعِ حدیث کے سفر سے، امام طحاویؒ کی واپسی **۲۶۹ھ** میں ہوئی ہے۔ **(لسان المیزان: ج۱: ص۶۲۰، ۱۷۷، اکمال تہذیب الکمال: جلد۱: صفحہ ۲۹۰، تجرید الأسماء والکنیٰ: جلد۱: صفحہ ۵۹)**

(۳) ابو عامر عبد الملک بن عمرو العقدی: ثقہ۔ **(تقریب: ۴۱۹۹)**

(۴) **سفیان وهو الثوری، الامام المشهور أثبت الناس فی منصور۔**

(۵) **منصور وهو ابن المعتمر الامام المشهور من أثبت الناس فی إبراهیم۔**

(۶) **أما إبراهیم فهو النخعی فقیه العراق۔**

هذه الائمة الثلاثة سلسلة الذهب، والثلاثة الباقون ابو عامر وابن مرزوق والطحاوی فهم ثقات أثبات۔

معلوم ہوا یہ سند بھی بالکل صحیح ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ احناف نے احتیاط کو راجح قرار دیتے ہوئے، یہی کہا کہ عصر کا وقت ۲ مثل پر شروع ہوتا ہے، کیونکہ حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ عصر کی نماز کو تاخیر سے (یعنی دو مثل کے بعد) پڑھتے تھے جیسا کہ تفصیل گزر چکی۔

امام ابو حنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) پر کفر سے توبہ کرانے کے الزام کا تحقیقی جواب۔

تحقیق: طحاوی الحنفی

نظر ثانی و اضافہ: مولانا نذیر الدین قاسمی

امام اعظمؒ کے خلاف بہت سی روایات کذاب، حاسد اور کم فہم راویان کی مرہون منت ہیں، انہیں اعتراضات میں سے ایک اعتراض جسے فرقہ اہل حدیث کا صرف متعصب طبقہ پیش کرتا ہے، معتدل اور اہل علم اس قسم کے اعتراضات سے دامن پاک رکھتے ہیں، بلکہ ایسے الزامات پر اعتماد بھی نہیں کرتے؛ اس لیے یہاں مخاطب وہی طبقہ ہے جو تعصب میں انتہا درجے کو پہنچا ہوا ہے، قارئین کرام کے سامنے اس مسئلے کی اصل حقیقت اور وضاحت دی جائے گی۔

ہم اعتراض کی وہ روایات لکھ دیتے ہیں جو معترض مثلاً شیخ مقبل بن ھادی کے مطابق صحیح، حسن اور مقبول ہیں۔

قال الخطيب رحمه الله تعالى (ج13 ص393):

أخبرنا القاضي أبو بكر الحيري حدثنا أبو العباس محمد بن يعقوب الأصم قال سمعت الربيع بن سليمان يقول: سمعت أسد بن موسى قال: استتيب أبو حنيفة مرتين۔

قال عبد الله بن أحمد رحمه الله (ج1 ص210):

حدثنا أحمد بن محمد بن يحيى بن سعيد القطان حدثنا يحيى بن آدم حدثنا شريك وحسن بن صالح أنهما شهدا أبا حنيفة وقد استتيب من الزندقة مرتين۔

قال الإمام أحمد رحمه الله (ج3ص239):

كتب إليّ ابن خلاد قال: سمعت يحيى قال: حدثنا سفيان قال: استتاب أصحاب أبي حنيفة أبا حنيفة مرتين أو ثلاثاً۔

قال الإمام أحمد رحمه الله في «العلل» (ج2ص545):

سمعت سفيان بن عيينة يقول: استتيب أبو حنيفة مرتين. فقال له أبو زيد: يعني حماد بن دليل رجل من أصحاب سفيان لسفيان: في ماذا؟ فقال سفيان: تكلم بكلام فرأى أصحابه أن يستتيبوه فتاب۔

قال عبد الله بن أحمد رحمه الله في «السنة» (ج1ص219):
حدثني أبو موسى (3) الأنصاري قال سمعت أبا خالد الأحمر يقول: استتيب أبو حنيفة من الأمر العظيم مرتين۔

قال أبو زرعة الدمشقي في «تاريخه» (ج1ص505):
حدثنا أبو مسهر قال حدثني يحيى بن حمزة عن شريك قال: استتيب أبو حنيفة مرتين۔

قال العقيلي رحمه الله (ج4 ص282):
حدثنا محمد بن (2) عيسى قال حدثنا إبراهيم بن سعيد قال سمعت معاذ بن معاذ العنبري يقول: استتيب أبو حنيفة من الكفر مرتين۔

یہ تمام روایات سلفی شیخ مقبل بن ھادی کی کتاب **'نشر الصحیفة'** سے لی گئی ہیں۔

الجواب نمبر ا :

یہ تمام روایات جس کو شیخ مقبل نے ذکر کیا ہے، اسی طرح اور دوسری روایات جو کتب تاریخ اور اسماء الرجال میں موجود ہیں، ان میں سے کسی میں بھی صراحتً یہ منقول نہیں کہ امام صاحبؒ کو کفر سے توبہ کرتے یا کراتے ہوئے راوی نے بالمشافہۃ خود دیکھا ہو۔

لہذا ایسی روایت سے امام صاحبؒ پر کسی قسم کا بھی اعتراض نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ آدمی پر کفر کا الزام لگانا، زنا سے بھی بڑی تہمت ہے، اور زنا عینی گواہوں سے ثابت ہوتا ہے نہ کہ ناقلین سے۔

اب چاہے ۴ کے بجائے ۱۰ لوگ کہتے ہیں کہ فلاں آدمی نے زنا کیا، لیکن ان میں سے کوئی بھی عینی شاہد نہیں ہے، تو کیا مذہب اسلام اس آدمی پر زنا کی سزا مقرر کرے گا؟

ہر گز نہیں، بس یہی معاملہ امام صاحبؒ کے تعلق سے مروی ان روایات کا ہے جن میں کفر سے ان کی توبہ کرنے یا کروانے کا ذکر ہے۔

ہم یہی کہتے ہیں کہ جتنی روایتیں ذکر کی گئی ہیں، ان میں سے کسی میں بھی صراحت نہیں کہ راوی نے بالمشافہہ اور بالمشاہدۃ اپنی آنکھوں سے امام صاحبؒ کو کفر سے توبہ کرتے یا کراتے ہوئے دیکھا ہو۔

لہذا اس طرح کی روایات چاہے ۶ ہوں یا ۱۰، ان سے امام صاحبؒ کی ذات پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا، اور ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ اس طرح کی روایات صرف افواہوں کی بنیاد پر ہو سکتی ہے، کہیں بھی کسی صحیح روایت میں کوئی ثقہ راوی یا شاگرد بالمشافہہ امام صاحبؒ سے اس طرح کی بات نقل نہیں کر سکتا۔[10]

الغرض اس طرح کی روایات سے امام صاحبؒ پر اعتراض کرنا باطل و مردود ہے۔

الجواب نمبر ۲ :

امام لالکائیؒ (م ۴۱۸ھ) کہتے ہیں:

"أنا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ، أنا مُحَمَّدُ بْنُ مَخْلَدٍ، قَالَ: نا الْحَسَنُ بْنُ الصَّبَّاحِ، قَالَ: نا مُؤَمَّلٌ، قَالَ: نا سُفْيَانُ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبَّادَ بْنَ كَثِيرٍ، يَقُولُ: " اسْتُتِيبَ أَبُو حَنِيفَةَ مَرَّتَيْنِ "

---

[10] اس سے امام صاحبؒ پر ہونے والے ایک اعتراض کا جواب ہو گیا، وہ یہ کہ غیر مقلدین اعتراض کرتے ہیں کہ امام صاحبؒ کے نزدیک جوتے کی عبادت جائز ہے، اور دلیل میں یہ روایت ذکر کرتے ہیں کہ امام یعقوب بن سفیان (م ۲۷۷ھ) کہتے ہیں کہ:

حدثني علي بن عثمان بن نفيل حدثنا ابو مسهر حدثنا يحي بن حمزة وسعيد يسمع: أن أبا حنيفة قال: لو أن رجلا عبد هذه النعل يتقرب بها إلى الله لم أر بذلك بأسا. فقال سعيد: هذا الكفر صراحا۔(المعرفة والتاريخ : ج۲: ص ۷۸۴)

اس روایت میں بھی یحیٰ بن حمزہ نے صراحت نہیں کی کہ انہوں نے یہ بات خود امام صاحبؒ سے سنی ہے یا نہیں۔

لہذا ایسی فضول روایت سے امام صاحبؒ پر اعتراض باطل و مردود ہے۔

عباد بن کثیرؒ **(ضعیف راوی)** کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ سے دو مرتبہ توبہ کرائی گئی۔(**شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة رقم ۱۸۳۰**)

معلوم ہوا سفیانؒ نے یہ روایت عباد بن کثیرؒ سے سنی تھی اور عباد مشہور ضعیف راوی ہیں۔(**تقریب:۳۱۳۹**)

لہذا سفیانؒ کی یہ روایت باطل و مردود ہے، نیز اس بات کا قوی احتمال ہے کہ یہ بات سفیان ثوریؒ(**م ۱۶۱ھ**) سے سننے کے بعد، انکے معاصر[11] اور شاگرد مثلاً ابو خالد احمرؒ، شریک بن عبد اللہ نخعیؒ، ابن عیینہؒ، معاذ بن معاذ عنبریؒ وغیرہ نے نقل کر دی ہو۔ (**تہذیب الکمال : ج۱۱: ص۱۵۴، تفسیر قرطبی : ج۱۰: ص ۱۳۰، المعجم الاوسط للطبرانی : ج۴: ص ۲۴۲، حدیث نمبر ۴۰۸۸**)

اور پھر سفیان کے شاگرد ابن عیینہؒ سے ان شاگرد امام احمدؒ اور اسد بن موسیٰؒ وغیرہ نے اس بات کو آگے بڑھا دیا ہو۔ مگر کسی نے بھی امام ابو حنیفہؒ سے سماع یا خود دیکھنے کی تصریح کے ساتھ یہ واقعہ نقل نہیں کیا۔ واللہ اعلم[12]

الجواب نمبر۳ :

---

[11] یعنی حسن بن صالح بن حیؒ۔

[12] غالباً یہی وجہ ہے کہ ثقہ، ثبت امام عبد اللہ بن داود الخریبیؒ(**م ۲۱۳ھ**) نے اس سفیان ثوریؒ کی اس روایت کو جھوٹی قرار دیا ہے۔

حافظ المغرب امام ابن عبد البرؒ(**م ۴۶۳ھ**) نے اس کی سند یوں بیان فرمائی ہے:

قال أبو يعقوب ونا أبو قتيبة سلم ابن الفضل قال نا محمد بن يونس الكديمي قال سمعت عبد الله بن داود الخريبي يوما وقيل له يا أبا عبد الرحمن إن معاذا يروي عن سفيان الثوري أنه قال استتيب أبو حنيفة مرتين فقال عبد الله بن داود هذه والله كذب۔(الانتقاء لابن عبد البر: ص۱۵۰)

حافظ المغرب امام ابن عبد البرؒ(**م ۴۶۳ھ**) اور ابو یعقوب یوسف ابن احمدؒ(**م ۳۸۸ھ**) کی توثیق **مجلہ الاجماع: شمارہ نمبر ۳: ص ۲۸۴** پر موجود ہے، سلم بن الفضل ابو قتیبہؒ(**م ۳۵۰ھ**) صدوق ہیں۔(**تاریخ الاسلام : ج۷: ص ۸۹۰**)، البتہ محمد بن یونس کدیمیؒ(**م ۲۸۶ھ**) ضعیف ہیں، جیسا کہ حافظؒ نے تقریب میں تحریر فرمایا ہے۔(**رقم ۶۴۱۹**) لیکن چونکہ دلائل سے ثابت ہوا کہ ثوریؒ کی روایت باطل ہے۔ لہذا یہاں پر محمد بن یونس الکدیمیؒ(**م ۲۸۶ھ**) پر جرح فضول اور بیکار ہے۔

ان تمام روایات میں اس بات کی وضاحت نہیں ہے کہ آخر ایسی کونسی بات تھی جس سے توبہ کروائی گئی، چنانچہ آگے کے اقوال میں یہ بات واضح کی جائے گی کہ آخر کونسا ایسا مسئلہ تھا جس سے امام صاحب سے ان کے اصحاب کی طرف سے گزارش کی گئی۔

امام ابن عبد البرؒ (م ۴۶۳ھ) کہتے ہیں:

وَذَكَرَ السَّاجِيُّ فِي كِتَابِ الْعِلَلِ لَهُ فى بَاب أَبى حنيفَة أَنه استتيب فى خَلْقِ الْقُرْآنِ فَتَابَ وَالسَّاجِيُّ مِمَّنْ كَانَ يُنَافِسُ أَصْحَابَ أَبِي حَنِيفَةَ"۔

ساجیؒ نے اپنی کتاب العلل میں باب ابی حنیفہ میں ذکر کیا ہے کہ ابو حنیفہ سے خلق قرآن کے مسئلے میں توبہ کا مطالبہ کیا گیا تو انہوں نے توبہ کرلی اور ساجی ان لوگوں میں سے تھے جو ابو حنیفہ کے اصحاب کے ساتھ مقابلہ کرتے تھے۔**(الانتقاء: ص ۱۵۰)**

ساجی کے قول کے تحت وہ مسئلہ جس سے امام صاحب سے رجوع کرایا گیا وہ خلق قرآن کا ہے جسے سفیان اور شریک نے کفر کہا ہے۔

اسی طرح امام احمدؒ **(م ۲۴۱ھ)** سے بھی انکے بیٹے نقل کرتے ہیں:

"استتابوه أظن في هذه الآية: {سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ} قال: هو مخلوق."

"ان کو توبہ کرائی گئی میرے خیال میں اس آیت کے متعلق تھی ﴿**سبحن ربك رب العزة عما يصفون**﴾ آپ نے کہا کہ یہ مخلوق ہے۔" **(العلل ج ۲ ص ۵۴۶)**

حافظ ابن جوزیؒ (م ۵۹۷ھ) کہتے ہیں:

"أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مُحَمَّدٍ قال: أخبرنا أبو بكر أحمد بن علي الحافظ قَالَ:المشهور عَنْ أبي حنيفة أنه كَانَ يَقُول بخلق القرآن ثُمَّ استتيب منه "

احمد بن علی الحافظؒ (م۴۶۳ھ) کہتے ہیں "ابو حنیفہ کے حوالے سے مشہور ہے کہ وہ خلق قرآن کے قائل تھے مگر ان سے رجوع کرایا گیا۔" **(المنتظم ج۸ ص۱۳۳)**[13]

اُن تمام اقوال سے جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ امام صاحب سے توبہ کرائی گئی، خلق قرآن کے مسئلے میں۔

توجہ فرمائیں:

ان ائمہ کی روایت عقل اور شواہد کے بھی خلاف ہے، امامؒ خلق قرآن کے مسئلے میں اہل سنت کی ہی رائے رکھتے ہیں، امام کے شاگردوں میں سے کوئی بھی ایسا ثقہ راوی نہیں ہے جس نے یہ گواہی دی ہو کہ میں نے خود امام صاحبؒ کو قرآن کو مخلوق کہتے ہوئے سنا، بلکہ امام کے ثقہ اصحاب سے تو اس بات کی نفی ملتی ہے تو پھر یہی اصحاب امام سے قرآن کے مسئلے میں کیسے توبہ لے سکتے ہیں؟

۱- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقیؒ (م۴۵۸ھ) کہتے ہیں:

"وقرأت في كتاب أبي عبد الله محمد بن محمد بن يوسف بن إبراهيم الدقاق بروايته عن القاسم بن أبي صالح الهمذاني , عن محمد بن أيوب الرازي , قال: سمعت محمد بن سابق , يقول: سألت أبا يوسف , فقلت: أكان أبو حنيفة يقول القرآن مخلوق؟ , قال: معاذ الله , ولا أنا أقوله , فقلت: أكان يرى رأي جهم؟ فقال: معاذ الله ولا أنا أقوله " رواته ثقات

محمد بن سابق کہتے ہیں میں نے ابو یوسف سے پوچھا:

" کیا ابو حنیفہ قرآن کو مخلوق کہتے تھے؟ انہوں نے کہا: اللہ کی پناہ! میں بھی ایسا نہیں کہتا، میں نے کہا: کیا وہ جہم والے خیالات رکھتے تھے؟ انہوں نے کہا اللہ کی پناہ! میں بھی ایسا نہیں کہتا "۔(**الأسماء والصفات للبیہقی:۱/ ۲۱۱ رقم ۵۵۰**، اسنادہ صحیح)

---

[13] اس عبارت میں قابلِ غور بات یہ ہے کہ خطیب بغدادیؒ نے مشہور کا لفظ استعمال کیا ہے، نہ کہ ثابت کا۔

اس روایت کے رواۃ کی تحقیق یہ ہے:

i – محمد بن محمد بن یوسف بن ابراھیم الدقاقؒ صدوق ہیں۔ **(الرّوض الباسم في تراجم شيوخ الحاكم: ۲ / ۱۲۸۷)**

ii – ان کے شیخ **القاسم بن أبي صالح الهمذاني** (م ۳۳۸؁) بھی صدوق ہیں۔ **(تاریخ الاوسلام: ج۷: ص ۷۲۰)**

iii– محدث محمد بن ایوب الرازیؒ (م ۲۹۴؁) متفقہ طور پر ثقہ ہیں۔ **(کتاب الثقات للقاسم: ج ۸: ص ۱۹۷)**

iv – ابو سعید محمد بن سعید بن سابق الرازیؒ (م ۲۱۶؁) سنن ابو داود اور نسائی کے راوی اور ثقہ ہیں۔ **(تقریب: رقم ۵۹۱۰)**

v– امام قاضی ابو یوسفؒ (م ۱۸۲؁) بھی مشہور ثقہ، ثبت، فقیہ اور حافظ الحدیث ہیں۔ **(تلامذہ امام ابو حنیفہ کا محدثانہ مقام** از حافظ ظہور احمد الحسینی**: ص ۱۳۸)**

معلوم ہوا کہ اس روایت کی سند حسن ہے۔

اسی طرح امام صاحبؒ کے دیگر اصحاب کی بھی یہی گواہی ہے کہ امام صاحبؒ قرآن کو مخلوق نہیں کہتے تھے، چنانچہ:

۲– حافظ المشرق خطیب بغدادیؒ (م ۴۶۳؁) کہتے ہیں کہ:

" (أخبرنا الخلال قال: أخبرنا علي بن عمرو الحريري، أن علي بن محمد بن كاس النخعي، حدثهم) وقال النخعي: حدثنا محمد بن شاذان الجوهري قال: سمعت أبا سليمان الجوزجاني، ومعلى بن منصور الرازي يقولان: ما تكلم أبو حنيفة ولا أبو يوسف، ولا زفر، ولا محمد، ولا أحد من أصحابهم في القرآن، وإنما تكلم في القرآن بشر المريسي، وابن أبي دؤاد، فهؤلاء شانوا أصحاب أبي حنيفة."

محمد بن شاذان جوہریؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابو سلیمان الجوزجانی (ثقہ امام) اور معلی بن منصور رازی (ثقہ فقیہ) کو کہتے ہوئے سنا کہ امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر نے قرآن کے بارے میں لب کشائی نہیں کی، بشر مریسی اور ابن ابي دُوَاد نے اس بارے میں لب کشائی (قرآن کو مخلوق کہنا) کی اور امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کی شان کو مجروح کیا۔ **(تاریخ بغداد و ذیولہ ط العلمیۃ : ج ۱۳ ص ۳۷۴)**

سند کی تحقیق:

i- خطیب بغدادیؒ (م ۴۶۳ھ) مشہور امام، ثقہ، متقن، حافظ المشرق ہیں۔ **(کتاب الثقات للقاسم: ج ۱: ص ۴۱۸، سیر اعلام النبلاء: ج ۱۸: ص ۱۵۹)**

ii- الحسن بن محمد الخلالؒ (م ۴۳۹ھ) بھی ثقہ، امام، حافظ ہیں۔ **(سیر اعلام النبلاء: ج ۱۷: ص ۵۹۳)**

iii- علی بن عمرو الحریریؒ (م ۳۸۰ھ) ثقہ ہیں۔ **(تاریخ الاسلام: ج ۸: ص ۴۸۲)**

iv- ابو القاسم علی بن محمد بن کاس النخعیؒ (م ۳۲۴ھ) ثقہ، قاضی ہیں۔ **(ارشاد القاصی والدانی: ص ۴۳۹)**

v- محمد بن شاذان الجوھری البغدادیؒ (م ۲۸۶ھ) بھی ثقہ ہیں۔ **(تقریب: رقم ۵۹۵۰)**

vi- معلی بن منصور الرازیؒ (م ۲۱۱ھ) صحیحین کے راوی ہے اور ثقہ، سنی، فقیہ ہیں۔ **(تقریب: رقم ۶۸۰۶)**

اسی طرح ان کے متابع امام ابو سلیمان الجوزجانی بھی صدوق ہیں۔ **(تاریخ بغداد: ج ۱۵: ص ۲۶، تحقیق بشار)**

معلوم ہوا کہ یہ سند صحیح ہے۔

وضاحت:

امام ابو سلیمان جوزجانیؒ اور امام معلی بن منصورؒ (م ۲۱۱ھ) دونوں، امام ابو یوسفؒ (م ۱۸۲ھ) اور امام محمد بن الحسنؒ (م ۱۸۹ھ) کے شاگرد ہیں، اور دونوں نے اس معاملے میں امام صاحبؒ کی طرف اس نسبت کا انکار کیا ہے جو دلیل ہے کہ امامؒ سے خلق قرآن کے مسئلے میں ایسا کچھ بھی مروی نہیں جو قابل گرفت ہو بلکہ امام ابو سلیمان الجوزجانی کے

متعلق ابن ابی حاتم نے یہاں تک کہا ہے کہ وہ خلق قرآن کے قائل کی تکفیر کرتے تھے ـــــ **(تاریخ بغداد: ج۱۵: ص ۲۶، تحقیق بشار)**

۳- حافظ المشرق خطیب بغدادیؒ **(م ۴۶۳ھ)** کہتے ہیں کہ:

"(أخبرنا الخلال قال: أخبرنا علي بن عمرو الحريري، أن علي بن محمد بن كاس النخعي، حدثهم)قال النخعي: حدثنا أبو بكر المروزي قال: سمعت أبا عبد الله أحمد بن حنبل يقول: لم يصح عندنا أن أبا حنيفة كان يقول القرآن مخلوق"۔

امام احمد بن حنبلؒ **(م ۲۴۱ھ)** کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک امام ابو حنیفہؒ کے تعلق سے یہ بات صحیح نہیں ہے کہ انہوں نے کہا: "قرآن مخلوق ہے"۔ **(تاریخ بغداد و ذیوله، ط العلمية ج۱۳ ص ۳۷٤)**

سند کی تحقیق:

i- خطیب بغدادیؒ **(م ۴۶۳ھ)**

ii- الحسن بن محمد الخلالؒ **(م ۴۳۹ھ)**

iii- علی بن عمرو الحریریؒ **(م ۳۸۰ھ)**

iv- ابو القاسم علی بن محمد بن کاس النخعیؒ **(م ۳۲۴ھ)** وغیرہ کی توثیق گزر چکی۔

v- ابو بکر احمد بن علی القرشی المروزی القاضیؒ **(م ۲۹۲ھ)** ثقہ ہیں۔ **(تقریب: رقم ۸۱)**

vi- امام احمد بن محمد بن حنبلؒ **(م ۲۴۱ھ)** مشہور ثقہ، امام، حافظ الحدیث اور حجت ہیں۔ **(تقریب)**

معلوم ہوا کہ یہ سند صحیح ہے۔[14]

---

[14] اس روایت سے ۲ باتیں ممکن ہو سکتی ہیں:

۱- پہلے قول کی، امام احمد کی طرف راوی نے غلط نسبت کی ہے۔

۴- امام ابو عبد الرحمٰن بن ابی حاتم الرازیؒ (م ۳۲۷ھ) اپنے کتاب میں کہا:

حدثنا أحمد بن محمد بن مسلم حدثنا علي بن الحسن الكراعي قال قال أبو يوسف ناظرت أبا حنيفة ستة أشهر فاتفق رأينا على أن من قال القرآن مخلوق فهو كافر۔

امام ابو یوسفؒ (م ۱۸۲ھ) کہتے ہیں کہ میں امام ابو حنیفہؒ سے ۶ مہینے مناظرہ کیا اور پھر ہم اس بات پر متفق ہو گئے کہ جو کوئی کہے کہ قرآن مخلوق ہے وہ کافر ہے۔(**بحوالہ العلو للعلي الغفار للذہبی: ص ۱۵۲، ص ۱۴۳، ۱۷۴**)

سند کی تحقیق:

i- امام عبد الرحمٰن بن ابی حاتم الرازیؒ (**م ۳۲۷ھ**) مشہور ثقہ، امام جرح و تعدیل اور امام بن امام ہیں۔(**الثقات للقاسم**)

ii- احمد بن محمد بن یزید بن مسلم الانصاریؒ (**م ۲۷۴ھ**) صدوق راوی ہیں۔(**کتاب الثقات للقاسم: ج ۲: ص ۸۷**)

iii- علی بن الحسن التمیمیؒ بھی صدوق ہیں۔(**تقریب: رقم ۴۷۱۰**)

iv- ابو یوسفؒ (**م ۱۸۲ھ**) کی توثیق گزر چکی۔

معلوم ہوا کہ اس کی سند حسن ہے۔اور شیخ البانیؒ نے اس کی سند کو جید کہا ہے۔(**العلو بتحقیق الالبانی: ص ۱۵۵**)

اور وہ قول یہ ہے کہ امام احمد سے ان کے بیٹے نقل کرتے ہیں کہ:

"استتابوه أظن في هذه الآية: {سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ} قال: هو مخلوق."

"ان سے جو توبہ کرائی گئی، میرے خیال میں وہ اس آیت کے متعلق تھی ﴿**سبحن ربك رب العزة عما يصفون**﴾ آپ نے کہا کہ یہ مخلوق ہے۔" (**العلل ج ۲ ص ۵۴۶**)

۲- امام احمدؒ کا پہلا کا قول تحقیق پر مبنی نہیں تھا بعد میں آپ نے اپنے قول سے رجوع کر لیا۔ واللہ اعلم

۵- امام عبد الرحمٰن بن ابی حاتم الرازیؒ (م **۳۲۷ھ**) نے اپنی کتاب میں کہا:

قال أحمد بن القاسم بن عطية سمعت أبا سليمان الجوزجاني يقول سمعت محمد بن الحسن يقول والله لا أصلي خلف من يقول القرآن مخلوق ولا استفتاني ألا أمرت بالإعادة۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں: کہ قسم بخدا، میں اس شخص کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا، جو قرآن کو مخلوق کہے، اور اگر وہ مجھ سے فتویٰ پوچھے گا تو میں اسے نماز کے اعادہ کا حکم دوں گا۔ **(بحوالہ العلو للعلي الغفار للذہبی: ص ۱۵۲، ص ۱۴۳، ۱۷۴)**

سند کی تحقیق:

i- امام عبد الرحمٰن بن ابی حاتم الرازیؒ (م **۳۲۷ھ**) کی توثیق گزر چکی۔

ii- حافظ احمد بن قاسم بن عطیہؒ بھی ثقہ ہیں۔ **(کتاب الثقات للقاسم: ج ۱: ص ۴۶۲)**

iii- امام ابو سلیمان الجوزجانیؒ کی توثیق گزر چکی۔

iv- امام حافظ فقیہ محمد بن الحسن شیبانیؒ (م **۱۸۹ھ**) مشہور امام ربانی، اور ثقہ مجتہد ہیں۔ **(تلامذہ امام ابو حنیفہ کا محدثانہ مقام،** از حافظ ظہور احمد الحسینی**: ص ۳۲۳)**

ملاحظہ فرمائیں! امام صاحبؒ کے خاص شاگرد امام محمدؒ بھی نہ قرآن کو مخلوق مانتے ہیں اور نہ ہی اس شخص کی اقتداء میں نماز پڑتے ہیں، جو قرآن کو مخلوق کہے۔

۶- حافظ المشرق، امام خطیب بغدادیؒ (م **۴۶۳ھ**) نے کہا:

(أخبرنا الخلال قال: أخبرنا علي بن عمرو الحريري، أن علي بن محمد بن كاس النخعي، حدثهم) وقال النخعي حدثنا نجيح بن إبراهيم، حدثني ابن كرامة - وراق أبي بكر ابن أبي شيبة- قال: قدم ابن مبارك على أبي حنيفة. فقال له أبو حنيفة: ما هذا الذي دب فيكم؟

قال له : رجل يقال له جهم، قال: وما يقول؟ قال: يقول القرآن مخلوق، فقال أبو حنيفة: ﴿كبرت كلمة تخرج من أفواههم إن يقولون إلا كذبا﴾۔

ابن کرامہؒ کہتے ہیں کہ امام ابن مبارکؒ، امام ابو حنیفہؒ کے پاس آئے، تو امام ابو حنیفہؒ نے ان سے کہا: تمہارے یہاں یہ کیا باتیں چل رہی ہیں؟ انہوں نے کہا: ایک آدمی ہے جسے جہم کہا جاتا ہے، امام صاحب نے کہا: اس کا کیا کہنا ہے؟ انہوں نے کہا: وہ کہتا ہے کہ قرآن مخلوق ہے، تو امام ابوحنیفہؒ فرمایا: بڑی سنگین بات ہے جو ان کے منہ سے نکل رہی ہے، جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں وہ جھوٹ کے سوا کچھ نہیں۔ **(تاریخ بغداد و ذیولہ، ط العلمیۃ ج ۱۳ ص ۳۷٤)**

سند کی تحقیق:

- i- خطیب بغدادیؒ **(م ۴۶۳ھ)**
- ii- الحسن بن محمد الخلالؒ **(م ۴۳۹ھ)**
- iii- علی بن عمرو الحریریؒ **(م ۳۸۰ھ)**
- iv- ابو القاسم علی بن محمد بن کاس النخعیؒ **(م ۳۲۴ھ)** وغیرہ کی توثیق گزر چکی۔
- v- فقیہ نجیح بن ابراہیم الکوفیؒ **(م ۲۷۸ھ)** صدوق ہیں۔[15]
- vi- محمد بن عثمان بن کرامہؒ **(م ۲۵۶ھ)** بھی ثقہ، صاحب حدیث ہیں۔ **(تقریب: رقم ۶۱۳۴، الکاشف)**

لہذا اس روایت کی سند بھی حسن ہے۔

---

[15] ان کو امام ابن حبان نے کتاب الثقات میں شمار کیا ہے، اور امام ابن عدیؒ نے باجود ان کا علم ہونے کے، ان کا ترجمہ الکامل میں ذکر نہیں کیا۔ یعنی یہ راوی، امام ابو احمد ابن عدیؒ کے نزدیک صدوق یا ثقہ ہیں، جیسا کہ غیر مقلدین کا اصول ہے۔ **(کتاب الثقات لابن حبان: ج ۹: ص ۲۲۰، الکامل: ج ۲: ص ۲۵۴، انوار البدر: ص ۲۲۵)**، لہذا یہ راوی صدوق ہیں۔

۷- ثقہ ثبت حافظ الحدیث فقیہ جرح وتعدیل کے ماہر، امام طحاویؒ (م ۳۲۱ھ) اپنی مشہور کتاب '**العقیدة الطحاویة**' میں فرماتے ہیں کہ :

' إن القرآن كلام الله منه بدا بلا كيفية قولا وأنزله على رسوله وحيا وصدقه المؤمنون على ذلك حقا وأيقنوا أنه كلام الله تعالى بالحقيقة ليس بمخلوق'۔

یقیناً قرآن، اللہ کا کلام ہے، جو بلا کسی کیفیت کے، بطور قول کے اسی سے ظاہر ہوا، جسے اللہ نے وحی کے ذریعہ اپنے رسول ﷺ پر اتارا، اور ایمان والوں نے اسی طرح اس کے حق ہونے کی تصدیق کی، اور انہوں نے یقین کیا کہ وہ حقیقت میں اللہ کا کلام ہے مخلوق نہیں ہے۔

اور اس کتاب کے شروع میں کہتے ہیں کہ " **هذا ذكر بيان عقيدة أهل السنة والجماعة على مذهب فقهاء الملة أبي حنيفة النعمان بن ثابت الكوفي وأبي يوسف يعقوب بن إبراهيم الأنصاري وأبي عبد الله محمد بن الحسن الشيباني رضوان الله عليهم أجمعين** "۔

یہ فقہاء ملت امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کے مذہب پر اہل سنت وجماعت کے عقیدہ کا بیان ہے۔ **(عقیدۃ الطحاوی: ص ۳۱، ۴۰)**

اہل سنت کے عقیدے کی اس بنیادی کتاب میں بھی صراحت ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحابؒ، قرآن کو مخلوق نہیں، بلکہ کلام اللہ مانتے تھے۔

۸- حافظ الحدیث، امام مجد الدین ابن الاثیر الجزریؒ (م ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ:

لو ذهبنا إلى شرح مناقبه وفضائله لأطلْنا الخُطب، ولم نصلْ إلى الغرض منها، فإنه كان عالماً عاملاً، زاهداً، عابداً، ورعاً، تقياً، إماماً في علوم الشريعة مرضياً، وقد نسب إليه وقيل عنه من الأقاويل المختلفة التي نجلُّ قدره عنها ويتنزه منها: من القول بخلقِ القرآن، والقول بالقدر، والقول بالإرجاء، وغير ذلك مما نُسب إليه.

ولا حاجة إلى ذكرها ولا إلى ذكر قائليها، والظاهر أنه كان منزهاً عنها، ويدل على صحة نزاهته عنها، ما نشر الله تعالى له من الذِّكْر المنتشر في الآفاق، والعلم الذي طبق الأرض،

والأَخْذ بمذهبه وفقهه والرجوع إلى قوله وفعله، وإن ذلك لو لم يكن لله فيه سرّ خفي، ورضى إلهيّ، وفقه الله له لما اجتمع شطرُ الإسلامِ أو ما يقاربهُ على تقليده، والعمل برأيه ومذهبه حتى قد عُبِدَ اللهُ ودِيْنَ بفقهه، وعُمل برأيه، ومذهبه، وأُخذَ بقوله إلى يومنا هذا ما يقارب أربعمائة وخمسين سنة،

وفي هذا أدل دليل على صحة مذهبه، وعقيدته، وأنما قيل عنه هو منزَّه منه، وقد جمع أبو جعفر الطحاوي - وهو من أكبر الآخذين بمذهبه - كتاباً سماه «عقيدةُ أبي حنيفةَ - رحمه الله-» وهي عقيدةُ أهل السُّنَّة والجماعة، وليس فيها شيء مما نُسبَ إليه وقيل عنه، وأصحابه أخبرُ بحاله وبقوله من غيرهم، فالرجوعُ إلى ما نقلوه عنه أوْلى مما نقله غيرُهم عنه، وقد ذُكِر أيضاً سبب قول من قال عنه ما قال والحامل له على ما نسب إليه، ولا حاجة بنا إلى ذكر ما قالوه، فإن مثل أبي حنيفة ومحلُه في الإسلام لا يحتاجُ إلى دليل يُعْتَذَرُ به مما نُسب إليه. والله أعلم

اگر ہم آپکے مناقب وفضائل کی تفصیل میں جائیں گے تو بات طویل ہو جائیگی، اور ہم مقصد تک نہیں پہنچ پائیں گے، یقیناً آپ عالمِ باعمل، عابد وزاہد، متقی پرہیز گار، اور علوم شریعت کے پسندیدہ امام ہیں، اور آپ کی طرف منسوب کرکے یا آپ کے بارے میں جو باتیں کہی گئی ہیں، ہم آپ کی شان کو اس سے بلند سمجھتے ہیں، آپ ان چیزوں سے بری ہیں، یعنی قرآن کو مخلوق کہنا، تقدیر کے بارے میں کلام کرنا، یا ارجاء کا عقیدہ رکھنا، وغیرہ چیزیں جو آپ کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔

نہ ان باتوں کو بیان کرنے کی نہ انکے قائلین کا تذکرہ کرنے کی ضرورت ہے، واضح طور پر آپ ان باتوں سے بری ہیں، ''ان باتوں سے آپ بری ہیں'' اس بات کے صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سارے عالم میں آپ کا شہرہ فرمادیا، اور آپ کا علم جس نے روئے زمین کو بھر دیا، اور آپ کے مذہب وفقہ کو اختیار کیا گیا، اور آپ کے قول وفعل کی طرف رجوع کیا گیا، اگر اس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی رازِ سربستہ اور رضاءالہی جس (کے حصول) کی اللہ نے آپ کو توفیق دی، شامل نہ ہوتی تو تمام مسلمانوں میں سے تقریباً آدھی تعداد آپ کی تقلید اور آپ کی رائے ومذہب کے مطابق عمل کرنے پر

مجتمع نہ ہوتی، یہاں تک کہ آج تقریباً ساڑھے چار سو سال سے آپ کی فقہ اور آپ کی رائے و مذہب پر عمل کر کے نیز آپ کے قول کو اختیار کر کے، اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے دین کے پر عمل کیا جا رہا ہے۔

یہ آپ کے مذہب و عقیدہ کے صحیح ہونے اور جو کچھ آپ کی طرف منسوب کیا گیا ہے، اس سے آپ کے بری ہونے کی بہت مضبوط دلیل ہے، ابو جعفر طحاویؒ جو آپ کے مذہب کے سب سے بڑے اختیار کرنے والوں میں سے ہیں، انہوں نے 'عقیدۃ ابی حنیفۃ' نامی ایک کتاب تالیف فرمائی ہے، وہ اہل سنت و جماعت ہی کے عقائد ہیں، ان میں آپ کی طرف منسوب کردہ اور آپ کے بارے میں کہی گئی باتوں میں سے کچھ بھی موجود نہیں، دوسروں کے مقابلہ میں آپ کے اصحاب، آپ کے حال و قال سے زیادہ واقف ہیں، اس لئے جو کچھ انہوں نے آپ سے نقل کیا اس کی طرف رجوع کرنا زیادہ بہتر ہے بنسبت دوسروں کی نقل کردہ چیزوں کے، کہنے والے نے کس سبب سے آپ کے بارے میں کہا، اور آپ کی طرف باتیں منسوب کرنے کیلئے کیا چیز باعث بنی، یہ بھی بیان کیا گیا ہے، لیکن لوگوں نے جو کچھ کہا ہے وہ سب ذکر کرنے کی ہمیں کوئی حاجت نہیں، اس لئے کہ ابو حنیفہؒ جیسی شخصیت اور اسلام میں آپ کا مقام و مرتبہ کسی دلیل کا محتاج نہیں، نہ آپ کی طرف منسوب کردہ باتوں کے بارے میں کوئی عذر پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ واللہ اعلم۔ **(جامع الاصول : ج۱۲: ص۹۵۳-۹۵۴)**

امام حافظ مجد الدین ابن الاثیر الجزریؒ **(م۶۰۶ھ)** کے اس جامع کلام کے بعد، مزید کچھ اور عرض کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

۹- امام ابو حنیفہؒ **(م۱۵۰ھ)** اپنی کتاب **'الفقہ الاکبر'**[16] میں فرماتے ہیں **"الْقُرْآن غير مَخْلُوق"** قرآن مخلوق نہیں ہے۔ **(الفقہ الاکبر: ص۲۰)**

لہذا جب امام صاحبؒ قرآن کو مخلوق مانتے ہی نہیں تھے، تو پھر رجوع کس مسئلے سے کرایا گیا؟

[16] **(اتحاف السادة المتقين بشرح إحياء علوم الدين: ج۲: ص۱۲)**

یہ یاد رکھا جائے کہ بسند صحیح اور سماع کی تصریح کے ساتھ یہ بات ثابت نہیں ہے کہ امام سے توبہ، خلق قرآن کے مسئلے میں کرائی گئی تھی۔

الجواب نمبر ۴ :

دوسری روایت میں اس واقعہ کی صحیح تشریح موجود ہے، چنانچہ:

محدث عبد القادر القرشیؒ (م ۷۷۵ھ) کہتے ہیں:

"وَقَالَ أَبُو الْفضل الْكرْمَانِي لما دخل الْخَوَارِج الْكُوفَة ورأيهم تَكْفِير كل من أذْنب وتكفير كل من لم يكفر قيل لَهُم هَذَا شيخ هَؤُلَاءِ فَأخذُوا الإِمَام وَقَالُوا تب من الْكفْر فَقَالَ أَنا تائب من كل كفر فَقيل لَهُم أَنه قَالَ أَنا تائب من كفركم فَأَخَذُوهُ فَقَالَ لَهُم أبعلم قُلْتُمْ أم بِظَنّ قَالُوا بِظَنّ قَالَ إِن بعض الظَّن إِثْم وَالْإِثْم ذَنْب فتوبوا من الْكفْر قَالُوا تب أَيْضا من الْكفْر فَقَالَ أَنا تائب من كل كفر فَهَذَا الذى قَالَه الْخُصُوم أَن الإِمَام استتيب من الْكفْر فى طَرِيق الْحجاز... "

صدوق، امام، فقیہ ابو الفضل کرمانیؒ (م ۵۴۳ھ) کہتے ہیں کہ :

"جب خوارج کوفہ میں داخل ہوئے، اور ان کا مذہب یہ تھا کہ وہ ہر گناہ گار کو کافر قرار دیتے تھے، اور (جو عاصی کو کافر نہ کہے) اس کی بھی تکفیر کرتے تھے، تو کسی نے ان سے کہا کہ یہ (امام ابو حنیفہؒ) سب کے استاد ہیں، تو انہوں نے امام کو پکڑ لیا اور کہا کفر سے توبہ کرو تو امام ابو حنیفہ نے کہا: کہ **میں ہر کفر سے توبہ کرتا ہوں۔**

مگر خوارج سے پھر کسی نے کہہ دیا کہ ابو حنیفہ نے کہا ہے کہ میں تمہارے کفر سے توبہ کرتا ہوں۔

تو خوارج نے امام کو پکڑ لیا، تو امام صاحب نے کہا کہ: ایسا تم نے کسی یقین کی بنیاد پر کہا ہے یا پھر تمہارا گمان ہے؟ تو وہ کہنے لگے کہ ظن کی بنیاد پر، امام صاحب نے کہا کہ: ﴿**ان بعض الظن إثم**﴾۔ (بعض گمان گناہ ہیں) اور اِثم گناہ ہے پس تم کفر سے توبہ کرو، پھر وہ خوارج اُمام سے کہنے لگے کہ: کفر سے تم بھی توبہ کرو تو امام نے کہا کہ **میں ہر کفر سے توبہ کرتا ہوں۔**

یہ وہ بات جس کو خصم یعنی مخالف نے ذکر کیا ہے کہ امام نے حجاز کے راستے میں توبہ کی..."

(الجواهر المضية في طبقات الحنفية ج ۱ ص ۴۸۷،۴۸۸)

اسی طرح ثبت، امام قاضی ابن ابی العوامؒ (م ۳۳۵؁ھ) کہتے ہیں کہ :

"وجدت في كتابي من حديث الحسن بن حماد سجادة، وقد حدثت به عنه قال: ثنا أبو قطن عمرو بن الهيثم قال: أردت الخروج إلى الكوفة فقلت لشعبة: من تكاتب بالكوفة؟ قال: أبو حنيفة وسفيان الثوري، فقلت: أكتب لي إليهما، فكتب، وصرت إلى الكوفة، فسألت عن أسن الرجلين؟ فقيل: أبو حنيفة، فدفعت إليه الكتاب، فقال: كيف أخي أبو بسطام؟ قلت بخير، فلما قرأ الكتاب قال: ما عندنا فلك مبذول، وما عند غيرنا فاستعن بنا نعينك، ومضيت إلى الثوري فدفعت إليه كتابه، فقال لي مثل ما قال أبو حنيفة، فقلت له، شيء يروى عنك تقول: إن أبا حنيفة استتيب من الكفر مرتين، أهو الكفر الذي هو ضد الإيمان؟ فقال: ما سألني عن هذه المسألة أحد غيرك منذ كلمت بها، وطأطأ رأسه ثم قال: لا، ولكن دخل واصل الشاري إلى الكوفة فجاء إليه جماعة فقالوا له: إن هاهنا رجلاً لا يكفر أهل المعاصي يعنون أبا حنيفة، فبعث فأحضره وقال: يا شيخ بلغني أنك لا تكفر أهل المعاصي؟ قال: هو مذهبي، قال: إن هذا كفر، فإن تبت قبلناك وإن أبيت قتلناك، قال: مم أتوب؟ قال: من هذا، قال: أنا تائب من الكفر، ثم خرج، فجاءت جماعة من أصحاب المنصور فأخرجت واصلاً عن الكوفة، فلما كان بعد مدة وجد من المنصور خلوة فدخلها، فجاءت تلك الجماعة فقالت: إن الرجل الذي كان تاب قد راجع قوله، فبعث فأحضره فقال: يا شيخ بلغني أنك راجعت ما كنت تقول، فقال: وما هو؟ فقال: إنك لا تكفر أهل المعاصي، فقال: هو مذهبي، قال: فإن هذا عندنا كفر، فإن تبت منه قبلناك وإن أبيت قتلناك، قال: والشراة لا يقتلون حتى يستتاب ثلاث مرات، فقال: مم أتوب؟ قال: من الكفر، قال: فإني تائب من الكفر، قال: فهذا هو الكفر الذي استتيب منه."

ابو قطن نے کہا کہ "میں نے کوفہ جانے کا ارادہ کیا تو شعبہؒ سے کہا آپ کوفہ میں کسی کی طرف رقعہ لکھنا چاہتے ہیں تو انہوں نے کہا ابو حنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ کی طرف لکھنا چاہتا ہوں۔

تو میں نے کہا آپ مجھے ان دونوں کی طرف لکھ دیں، تو انہوں نے لکھ دیا اور میں کوفہ چلا گیا اور میں نے وہاں لوگوں سے پوچھا کہ ابو حنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ سے زیادہ عمر والے کون ہیں تاکہ میں ان کو رقعہ پہلے پہنچاؤں تو مجھے بتایا گیا کہ ابو حنیفہؒ عمر رسیدہ ہیں تو میں نے ان کو رقعہ دیا، انہوں نے کہا میرے بھائی ابو بسطام کیا حال؟ میں نے کہا: وہ خیریت سے تھے، جب انہوں نے رقعہ پڑھا تو کہا: جو چیز ہمارے پاس ہے وہ پیش خدمت ہے اور جو ہمارے پاس نہیں کسی اور کے پاس ہے، اس کیلئے ہم مدد کریں گے، پھر میں سفیان ثوری رحمہ اللہ کے پاس گیا اور ان کو وہ رقعہ پہنچایا تو انہوں نے بھی مجھے وہی کہا جو ابو حنیفہ نے کہا تھا۔

پھر میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کے حوالہ سے ایک روایت بیان کی جاتی ہے کہ آپ کہتے ہیں بیشک ابو حنیفہ سے دو مرتبہ کفر سے توبہ طلب کی گئی تھی؟ کیا وہ ایسا کفر تھا جو ایمان کی ضد ہے؟ تو انہوں نے کہا: جب سے میں نے یہ بیان کیا ہے اس وقت سے لے کر اب تک اس مسئلے کے بارے میں تمہارے سوا کسی نے مجھ سے نہیں پوچھا اور اپنا سر جھکا لیا پھر کہا: نہیں ایسا نہیں تھا، لیکن واصل البخاری کوفہ میں داخل ہوا تو اس کے پاس ایک جماعت آئی تو انہوں نے اس سے کہا بیشک یہاں ایک ایسا آدمی جو گنہگاروں کو کافر نہیں کہتا اور ان کی مراد اس شخص سے ابو حنیفہ تھے۔

تو اس نے پیغام بھیجا تو وہ اس کے پاس حاضر ہوئے، اس نے کہا: اے شخص مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ اہل معاصی (گناہ گار) کو کافر نہیں کہتے تو انہوں نے کہا کہ یہ تو میرا مذہب ہے، اس نے کہا: یہ یقیناً کفر ہے، پس اگر تو نے توبہ کرلی تو ہم تیری توبہ قبول کرلیں گے، اور اگر تو نے انکار کیا تو ہم تجھے قتل کردیں گے، انہوں نے کہا: کس بات سے توبہ کروں؟ اس نے کہا: اسی سے، انہوں نے کہا: میں کفر سے توبہ کرتا ہوں، پھر وہ چلے گئے، پھر منصور کے ساتھیوں کی ایک جماعت آئی جنہوں نے واصل کو کوفہ سے نکال دیا، کچھ مدت کے بعد پھر واصل نے موقع پایا تو وہ کوفہ میں داخل ہو گیا تو وہی جماعت اس کے پاس آکر کہنے لگی بیشک وہ آدمی جس نے توبہ کی تھی اس نے رجوع کرلیا ہے، اس نے بلانے کے لیے پیغام بھیجا تو آپ اس کے پاس حاضر ہوئے، اس نے کہا: اے شیخ! مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ بیشک آپ اپنے اسی نظریہ کی طرف لوٹ گئے ہیں جو پہلے تھا تو انہوں نے کہا: وہ کیا ہے؟ تو اس نے کہا بے شک آپ گناہ گاروں کو کافر نہیں کہتے تو انہوں نے کہا: وہ تو میرا مذہب ہے، تو اس نے کہا: ہمارے نزدیک کفر ہے پس اگر آپ نے توبہ کرلی تو ہم تمہاری قبول کرلیں گے

اگر آپ نے انکار کیا تو ہم آپ کو قتل کر دیں گے، سفیان ثوری کہتے ہیں کہ: خوارج اس وقت تک قتل نہیں کرتے تھے جب تک کہ تین مرتبہ توبہ نہ کروالیں، تو انہوں نے کہا: میں کس چیز سے توبہ کروں؟، اس نے کہا: کفر سے، امام صاحب نے کہا: بیشک میں کفر سے توبہ کرتا ہوں، پس یہی وہ کفر ہے جس سے ابو حنیفہؒ سے توبہ طلب کی گئی تھی۔" **(فضائل أبي حنیفة و أخبار ص ۷۵،۷۴، رقم ۸۴)**

سند کی تحقیق:

i- امام قاضی ابن ابی العوامؒ **(م ۳۳۵ھ)** مشہور ثقہ، ثبت امام ہیں۔ **(دو ماہی مجلہ الاجماع: شمارہ نمبر ۲: ص ۳)**

ii- محدث حسن بن حماد سجادۃؒ **(م ۲۴۱ھ)** سنن ابو داود اور سنن نسائی کے راوی اور صدوق ہیں۔ **(تقریب: رقم ۱۲۳۰)**

iii- عمرو بن الھیثم ابو القطن علیہ الرحمہ **(م ۲۰۰ھ)** صحیح مسلم اور سنن اربع کے راوی اور ثقہ ہیں۔ **(تقریب: رقم ۵۱۳۰)**

معلوم ہوا کہ اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ امام صاحب سے جس بات سے توبہ کرائی گئی تھی دراصل وہ قابلِ اعتراض بات ہی نہ تھی، جسے صرف تعصب کی بنا پر پھیلایا گیا۔

یہ روایت ان تمام تر اعتراضات کا شافی جواب ہے، اگر توبہ کی وجہ کوئی اور ہے تو اس دعوے پر صریح دلائل پیش کرنا ہوں گے، ورنہ یہ تمام روایات کسی کام کی نہیں، جب کہ تک مدعی اپنے دلائل میں صراحت نہ دکھادے۔

سلسلۃ توثیقات امام اعظم علیہ الرحمہ باسناد صحیح ٦

امام ابو حنیفہ ؒ (م ۱۵۰ھ) امام ایوب سختیانی ؒ (م ۱۳۱ھ) کی نظر میں۔

-مولانا نذیر الدین قاسمی

حافظ المشرق، امام خطیب بغدادیؒ (م ۴٦۳ھ) فرماتے ہیں کہ:

أخبرنا القاضي أبو جعفر محمد بن أحمد بن محمد السمناني، أخبرنا اسماعيل بن الحسين بن علي البخاري الزاهد، حدثنا أبو بكر أحمد بن سعد بن نصر، حدثنا علي ابن موسى القمي، حدثني محمد بن سعدان قال: سمعت أبا سليمان الجوزجاني يقول: سمعت حماد بن زيد يقول: أردت الحج، فأتيت أيوب أودعه، فقال: بلغني أن الرجل الصالح فقيه أهل الكوفة- يعني أبا حنيفة- يحج العام، فإذا لقيته فأقرئه مني السلام۔

ابو سلیمان جوز جانیؒ کہتے ہیں کہ میں نے حماد بن زیدؒ کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے حج کا ارادہ کیا، تو میں ایوبؒ کو الوداع کہنے آیا، انہوں نے کہا کہ مجھے پتہ چلا ہے کہ بندہ نیک، اہل کوفہ کے فقیہ یعنی ابو حنیفہؒ اس سال سے حج کرنے والے ہیں، تو جب تمہاری ان سے ملاقات ہو تو انہیں میر اسلام کہنا۔ **(تاریخ بغداد: جلد ۱۳: صفحہ ۳۴۱)**

اس روایت کے روات کی تفصیل درجِ ذیل ہے:

۱ – امام خطیب بغدادیؒ (م ۴٦۳ھ) مشہور ثقہ، حافظ الحدیث ہیں۔ **(کتاب الثقات للقاسم)**

۲ – قاضی ابو جعفر محمد بن احمد السمنانیؒ (م ۴۴۴ھ) بھی ثقہ ہیں۔ **(کتاب الثقات للقاسم: جلد ۸: صفحہ ۱۴٦)**

۳ – امام اسماعیل بن حسین بن علی بخاریؒ (م ۴۰۲ھ) مشہور زاہد، فقیہ اور فقہ میں اپنے وقت کے امام اور بہت ہی پرہیز گار تھے۔ **(تاریخ بغداد: جلد ۱۳: صفحہ ۳۴۱، جلد ۱۹: صفحہ ۱۷۰، المنتخب من کتاب السیاق لتاریخ نیسابور: صفحہ ۱۳۵)** جو کہ ان کے صدوق اور حسن الحدیث ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ **(اضواء المصابیح: صفحہ ۲۵۱)**

۴ – امام ابو بکر احمد بن سعد بن نصر البخاریؒ (م ۳۵۷ھ) بھی صدوق، فقیہ اور زاہد ہیں۔ **(الروض الباسم: صفحہ ۲۱۸)**

۵ – امام علی بن موسیٰ قمی (م ۳۰۵ھ) صدوق راوی ہیں، امام ذہبیؒ نے ان کی تعریف، اور امام حاکمؒ نے بھی ان کی توثیق کی ہے۔ **(سیر اعلام النبلاء: جلد ۱۴: صفحہ ۲۳۶)**

۶ – **محمد** بن سعدؒ کو امام ابو بکر محمد بن جعفر **المطیـــــری**ؒ (م ۳۳۵ھ) نے فقیہ کہا ہے۔ **(مسند امام اعظم لابن خسرو: جلد ۲: صفحہ ۶۵۹)**، اور سلفی شیخ بشار عواد معروف نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ **(تاریخ بغداد: جلد ۱۵: صفحہ ۴۶۷، بتحقیق بشار)** لہذا وہ بھی مقبول ہیں۔ **(اضواء المصابیح: صفحہ ۲۵۱)**

۷ – ابو سلیمان موسیٰ بن سلیمان الجوزجانیؒ بھی صدوق ہیں۔ **(تاریخ بغداد: جلد ۱۳: صفحہ ۳۸)**

۸ – حماد بن زیدؒ (م ۱۷۹ھ) صحیحین کے راوی اور ثقہ مضبوط ہیں۔ **(تقریب: رقم ۱۴۹۸)**

۹ – امام ایوب سختیانیؒ (م ۱۳۱ھ) بھی صحیحین کے راوی اور ثقہ، مضبوط اور حجت ہیں۔ **(تقریب: رقم ۶۰۵)**

معلوم ہوا کہ یہ سند حسن ہے۔

نیز، دیکھئے **(الانتقاء لابن عبد البر: صفحہ ۱۲۵، اخبار ابی حنیفة وأصحابه: صفحہ ۷۹، فضائل أبی حنیفة أصحابه: صفحہ ۱۰۴)**